www.sporting-heroes.net

اسی کی دہائی میں کرکٹ کے میدانوں کی دہشت، عبدالقادر کی سرگزشت

قادر جادوگر

تحریر و ملاقات: روبینہ رشید

اسپن بالنگ کو نئی پرکشش زندگی دینے والا فسوں کار گگلی کا شہنشاہ۔ اُس نے گگلی کو ایسے مختلف رنگوں سے نوازا کہ لوگ اُسے گگلی کا موجد سمجھنے لگے۔ گیند اُس کی اُنگلیوں کی ماہرانہ گرفت سے نکلتی تو ایک شعبدہ بن جاتی۔ بڑے بڑے نامور بیٹسمین اُس کی پھینکی ہوئی گیند کو پاکستانی ٹیم کا خطرناک ہتھیار قرار دیتے رہے۔ وہ ایک ایسا حملہ آور تھا جس کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ کب، کہاں اور کیسے دشمن کی بیٹنگ لائن کی مضبوط ترین دیوار میں ڈراڑیں ڈال دے گا۔ موجودہ دور کے اہم ترین اسپن بالرز شین وارن اور مشتاق احمد کا اُستاد، لیگ بریک بالنگ کی دُنیا کا خطرناک نام۔

سیاہ چمکتے ہوئے رن وے پر دوڑتا طیارہ کسی چابک دست اور تیز رفتار بالر کے مانند اپنی انگ کا آغاز کرچکا تھا پھر چند ہی لمحوں بعد وہ ہاتھ سے نکلی گیند کی طرح اپنی منزل کی جانب پرواز کرگیا۔

طیارے کے باہر آسمان پر بکھرے چھدرے بادل چمکتے ہوئے چاند کو چھپانے کی ناکام کوشش میں مصروف تھے۔ ہر طرف ایک سکوت سا طاری تھا گویا ستارے بھی بادلوں کی گود میں آرام کررہے ہوں مگر طیارے کے اندر زندگی اپنے پورے جوبن پر تھی۔ گفتگو کی چہکاریں دبی دبی ہنسی اور کبھی کبھار بلند ہونے والے مترنم اور بھاری قہقہوں کی آوازیں سرد موسم کو گرما رہی تھیں۔ ایئر ہوسٹس اور اسٹیورڈ حضرات تن دہی سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ عموماً رات کی فلائٹس میں اتنی رونق کم ہی نظر آتی ہے۔ لوگ ٹیک آف کے بعد اپنی اپنی نشستوں پر آرام کی کوشش کرتے ہیں مگر اس پرواز میں یہ معمول ٹوٹ گیا تھا۔ اس کی وجہ طیارے میں دنیائے کرکٹ کے چمکتے ہوئے ستاروں کی موجودگی تھی۔ اپنے ہیروز سے قریب ہونے کے خیال نے عام مسافروں کو ایک قسم کے جوش سے بھردیا تھا۔ خاصی عمر کے لوگ بھی انہیں قریب سے دیکھنے اور گفتگو کے شائق نظر آرہے تھے۔ آٹوگراف بکس مسلسل بھجوائی جارہی تھیں جب کہ "اوہ عمران.... وی آر یور گریٹ فینز" (ہم آپ کے بڑے پرستار ہیں) ایک الٹرا ماڈرن خاتون بڑی بے تکلفی سے عمران خان کے قریب جاکر بولیں۔

"تھینک یو جی...." ہمیشہ کے شرمیلے عمران خان کے چہرے پر سرخی جھلک آئی تھی "مگر میں آپ سے ریکوئسٹ کروں گا کہ پلیز اپنی جگہ پر جاکر بیٹھیں ہمیں انگلینڈ پہنچتے ہی میچ کھیلنا ہے اس لیے ہم آرام کرنا چاہتے ہیں امید ہے آپ لوگ برا نہیں مانیں گے۔"

"اوکے سر.... مگر پلیز آپ مجھے سب سے آٹوگراف لے لینے دیں" ایک بچہ تیزی سے آگے بڑھ کر ملتجی انداز میں بولا۔

"ٹھیک ہے مگر اس کے بعد آپ کو اپنی جگہ پر جانا ہوگا۔"

کچھ دیر بعد یہ ہنگامہ تھم گیا تھا۔

تمام مسافر اپنی اپنی نشستوں پر ہلکی روشنی میں نیم دراز ہوگئے۔ نیند کی مہربان پری طیارے پر سایہ فگن ہوچکی تھی۔

ایسے میں صرف وہ جاگ رہا تھا۔

یوں وہ بھی اپنی نشست پر نیم دراز تھا اس کے پیروں پر ہوائی کمپنی کا مخصوص نرم و گرم کمبل بھی پھیلا ہوا تھا مگر اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں طیارے کی کھڑکی کے باہر اندھیرے میں کچھ تلاش کررہی تھیں۔ اس کے وجود میں پھیلی بے چینی کا اندازہ اس کی انگلیوں کی مسلسل مگر غیر محسوس حرکت سے کیا جاسکتا تھا۔

وہ عبدالقادر تھا۔ اسپنگ بالنگ کی دنیا میں طلوع ہونے والا خطرناک ترین جادوگر۔

مگر اس وقت وہ گراؤنڈ کے قادر سے بالکل مختلف نظر آرہا تھا۔ اس کے چہرے پر تفکر کی لکیریں ابھری ہوئی تھیں اس کی سماعت میں اب بھی وہی آوازیں گونج رہی تھیں۔

"قادر فٹ نہیں ہے۔"

"قادر کی وجہ سے پاکستان میچ ہار گیا۔"

"قادر نے زیادہ رنز دے دیئے۔"

"قادر کو انگلینڈ جانے والی ٹیم میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔"

"قادر کا انتخاب جانب داری کی ایک مثال ہے۔"

"عمران خان کی وجہ سے قادر کو ٹیم میں لیا جارہا ہے۔"

"آخر عمران قادر کو ہر قیمت پر ساتھ کیوں لے جانا چاہتا ہے؟"

رہتے ہیں" اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

یہ واقعی حقیقت بھی تھی اس کے زندگی کے سفر کا اگر خلاصہ کیا جائے تو وہ ناآسودگیوں' دشواریوں.... مشکلات.... اور پھر جدوجہد کی طویل سڑک ہی ہوسکتا ہے پھر یہ سڑک بھی ہموار ہرگز نہیں تھی اور اس پر طرفہ تماشا یہ تھا کہ اسے یہ سفر پاپیادہ ہی طے کرنا تھا۔

بچپن اس کے لیے گلاب لمحوں کا نام نہیں تھا بلکہ بہت بچپن میں ہی خواہشات کے ادھورے رہ جانے نے اسے اپنی تہی دامنی کا احساس دلادیا تھا۔ اسے یاد تھا کہ بچپن میں اسے کھلونوں کی کتنی چاہ ہوتی تھی اور کھلونے کے نام پر اس کی ماں کے پاس ٹوٹے پھوٹے مٹی کے برتنوں یا کبھی کبھار مل جانے والے مٹی کے کھلونوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ لوگ صدقے میں کھانا کپڑا تو نکال دیتے ہیں مگر کھلونوں کا خیال کبھی کسی کو نہیں آتا۔ جب کہ ہمارے معاشرے میں ایک پیش امام اپنی تمام شرافت' نیک نیتی اور ایمانداری کے باوجود کبھی کسی دور میں بھی اتنا محنتانہ نہیں پاسکتا کہ وہ اپنے بچوں کو دو وقت کی روٹی بھی کھلا سکے۔ ان کے تن کو ڈھانپ بھی سکے انہیں تعلیم (ظاہر ہے کہ سرکاری اسکولوں کی) کی عیاشی بھی کراسکے اور اس سب کے بعد انہیں کھلونے بھی دلاسکے۔ روٹی کپڑا تو خیر بنیادی ضرورتوں میں آتے ہیں اس لیے ان کا بندوبست تو جوں توں ہو ہی جایا کرتا۔ اب یہ اور بات ہے کہ حافظ سید قدیم افضل کے خاندان کو کبھی عید بقرعید پر ہی اچھا کھانا نصیب ہوتا۔ اسی طرح ان کے لیے نئے کپڑے وہی ہوتے جو لوگ خاص موقعوں پر ان کے گھر پہنچا جایا کرتے۔ اسے اپنی پہلی ضد آج بھی اچھی طرح سے یاد تھی وہ غالباً اس وقت چار سال کا بھی نہیں تھا.... باہر گلی میں دوستوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے وہ اپنی گلی میں ہی رہنے والے ایک دوست کے گھر چلا گیا.... ان کے گھر میں گوشت کے پلاؤ کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ کافی دیر سے باہر کھیل رہا تھا اس خوشبو نے اس کی بھوک کو یکدم جگادیا۔

"چلو قادرے' تم اپنے گھر جاؤ.... تمہاری اماں تمہیں ڈھونڈ رہی ہوگی" کچھ دیر بعد اس دوست کی ماں نے اسے بہانے سے گھر بھیج دیا۔

"اماں مجھے بھوک لگی ہے...." اس نے گھر آتے ہی کھانے کا تقاضا کیا۔

"ہاں.... ابھی دیتی ہوں بیٹا.... تو ذرا ہاتھ منہ تو دھولے دیکھ تو کتنی مٹی لگی ہوئی ہے...." ماں پیار سے سمجھاتے ہوئے بولی "جا اپنی آپا کے ساتھ جاکر منہ ہاتھ دھولے" وہ ماں کے کہنے سے اٹھ کھڑا ہوا "اور ہاں پانی زیادہ نہ گرادینا۔ صبح ہی پوری مشک ڈلوائی ہے...." اماں آواز دے کر بولیں۔

"اماں کھانا...." وہ منہ دھوکر پھر اماں کے سامنے جابیٹھا۔

"ہاں یہ لے...." اماں نے مونگ کی دال اور روٹی اس کے

"دوسرے صوبوں کے ڈیزرونگ کھلاڑیوں کو نظرانداز کرکے ایک ان فٹ کھلاڑی کا انتخاب عمران اور بورڈ کا غلط ترین فیصلہ ہے۔"

اس نے غیرارادی طور پر سر جھٹکا' وہ ان آوازوں کو اپنی سماعت سے دور دھکیل دینا چاہتا تھا۔ وہ یہ بھول جانا چاہتا تھا کہ اس کے اپنے لوگ اس کے بارے میں کیا کچھ کہتے رہے ہیں' پریس کیا کچھ چھاپتا رہا ہے۔

"ان فٹ" یہ ایک لفظ اس کے وجود پر طاری ہوگیا تھا۔ وہ ان فٹ نہیں تھا یہ بات وہ خود بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بہت اچھی کرکٹ کھیل سکتا تھا اور شروع دن سے اس بات کا ثبوت دیتا آیا تھا مگر شاید یہاں کوئی ایک غلطی بھی قابل معافی نہیں تھی۔ ایک کھلاڑی ہونے کی حیثیت سے وہ یہ بخوبی جانتا تھا کہ کسی بھی کھلاڑی پر اچھا یا برا فیز آتا جاتا رہتا ہے مگر یہ بات کوئی اور سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھا حتیٰ کہ اس کے بعض ساتھی بھی اسے صرف عمران کا طفیلی سمجھنے لگے تھے اور اس بات نے اسے زخم زخم کردیا تھا۔

اسے ان سارے الزامات کی سیاہی کو اپنی کارکردگی کے چمکتے ہندسوں سے دھونا ہے' اس نے دل ہی دل میں دہرایا۔ خود کو ان فٹ قرار دینے والوں کو بھرپور جواب دینا ہے اسے یہ ثابت کرنا ہے کہ اس کے کپتان کا فیصلہ غلط نہیں تھا اس نے برابر کی نشست پر ہیٹ سے منہ ڈھانپ کر سوتے عمران کو عقیدت سے دیکھا اگر عمران نہ ہوتا تو اس کا کیریئر ختم ہوگیا ہوتا.... وہ ایک مکمل کھلاڑی تھا اور عمران یہ جانتا تھا کہ قادر کھیل سکتا ہے شاید اسی لیے اس نے سب کی مخالفت مول لے کر یہ فیصلہ کیا تھا اب اسے عمران کے اس فیصلے کا بھرم رکھنا تھا۔ اس مان اور اعتماد کو قائم رکھنا تھا جو عمران نے اس پر کیا تھا.... اور اگر وہ ایسا نہ کرپایا؟

اگر اس کے ہاتھوں نے اس کا ساتھ نہ دیا؟

وکٹیں اس کے خلاف ہوگئیں؟ قسمت کا پانسا اس کے حق میں نہ گرا.... تو....؟.... تو کیا ہوگا؟

اس کے بعد وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

یوں تو ہر میچ کھلاڑی کے لیے اہم ہوتا ہے مگر یہ سیریز اس کی زندگی کے لیے' اس کے کیریئر اور اس کے کھیل کے لیے حد سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی یہ قادر کے لیے "ناؤ اور نیور" اور "ٹوبی اور ناٹ ٹوبی" کا معاملہ تھا۔ اسے ہر قیمت پر خود کو ایک بار پھر منوانا تھا۔

"میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے" اس نے آنکھیں بند کرکے سر سیٹ پر ٹکاتے ہوئے سوچا "آخر مجھے ہر بار ایک نئے امتحان سے کیوں گزرنا پڑتا ہے.... ہر بار نئے سرے سے خود کو کیوں منوانا پڑتا ہے؟.... رکاوٹوں کے سیلاب آخر میری راہوں میں ہی کیوں آتے ہیں؟ مخالفتوں کے طوفان میرے وجود کو ہی کیوں دہلاتے

سامنے رکھ دی۔
"یہ....؟ یہ نہیں کھاؤں گا میں" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔
"کیوں نہیں کھائے گا.... ابھی تو بھوک بھوک چلّا رہا تھا" اماں حیرت سے بولیں۔
"میں یہ نہیں کھاؤں گا میں گوشت کا پلاؤ کھاؤں گا...."
"گوشت کا پلاؤ کہاں سے یاد آگیا تجھے۔"
"بس اماں میں وہی کھاؤں گا" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
"مگر قادرے آج تو گوشت کا ناغہ ہے نا" آپا اماں کی مدد کو آئیں۔
"پھر سکندر کے گھر گوشت کا پلاؤ کیسے پکا ہے؟ جھوٹ بولتی ہے تُو.... مجھے وہی کھانا ہے" وہ پیر پٹخ کر بولا۔
"ارے تو کسی کے گھر کچھ پک رہا ہے تو وہ فوری طور پر تو نہیں پک سکتا نا" اماں اسے رسان سے سمجھا کر بولیں۔
"مجھے نہیں معلوم میں وہی کھاؤں گا" وہ رونے لگا۔
"چپ کر جا قادرے ورنہ منہ توڑ دوں گی تیرا" اماں چلّا کر بولیں۔ جواب میں وہ زور شور سے رونے لگا بالآخر اس کا رونا دھونا اماں کے دو تین چانٹوں سے ہی موقوف ہو پایا تھا "لاٹ صاحب کا بچہ گوشت کھائے گا یہاں دال کھلانا دوبھر ہے کم بختوں کو اور اسے گوشت پلاؤ کی پڑی ہے.... اب نہیں ہے گوشت تو کیا اپنا گوشت کاٹ کر پکاؤں.... کیوں پیدا ہو گیا ایک غریب حافظ کے گھر...."
اماں دیر تک بڑبڑاتی رہیں اور وہ بغیر کچھ کھائے روتے روتے سو گیا تھا۔ شام ڈھلے اماں نے اسے پیار سے جگایا۔
"کھانا کھائے گا نا میرا چاند۔"
"اماں...." شاید چانٹوں کے خوف نے اسے آگے کچھ کہنے سے روک دیا تھا۔
"آج دال روٹی کھالے.... کل انشاء اللہ گوشت پلاؤ پکادوں گی۔ ٹھیک ہے میرے لعل...." وہ اس کے بال سنوار کر بولیں۔
"اماں وعدہ...." وہ امید کی ڈوری پکڑ کر بولا۔
"دیکھ تیرے ابا کہتے ہیں نا ہمیشہ انشا اللہ کہنا چاہیے.... چل اٹھ کھالے میرے ہاتھ سے" وہ اس کے بال سنوار کر بولیں۔
یوں اماں نے بہلا کر اسے کھانا کھلا دیا پھر یہ سلسلہ کئی دنوں تک چلتا رہا تھا بالآخر وہ خود ہی اس بات کو بھول بھال گیا تھا۔
بہت کم عمری میں جب بچوں کی زندگیاں شرارتوں سے عبارت ہوتی ہیں ان کی سوچ کھیلوں کے گرد گھومتی ہے عبدالقادر اپنے حالات صحیح کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگا تھا حافظ قدیم افضل اسے پڑھا لکھا کر بڑا آدمی بنانا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسے سرکاری اسکول میں بھی داخل کروادیا تھا۔ ننھا قادر بچپن سے ہی بہت ذہین اور حساس بچہ تھا خود اس کے ابا اس کے سوالوں سے زچ ہو جاتے تھے۔

بہترین وبدترین

ورلڈ کپ میں کسی کپتان کی جانب سے بہترین بولنگ کا مظاہرہ ۱۳ جون ۱۹۸۳ء کو ناٹنگھم میں دیکھنے میں آیا جب آسٹریلیا کے خلاف بھارتی کپتان کپیل دیو نے ۴۳ رنز دے کر پانچ وکٹیں حاصل کرلی تھیں۔
اس شاندار کارکردگی کے باوجود میچ میں انہیں ۱۶۲ رنز سے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

کم سے کم اسکور

۱۴ جون ۱۹۷۹ء کو دوسرے عالمی کپ کے ایک میچ میں مانچسٹر کے مقام پر انگلینڈ کے خلاف کینیڈا کی ٹیم فقط ۴۵ رنز پر ڈھیر ہو گئی تھی۔ یہ ورلڈ کپ مقابلوں کی تاریخ میں کسی بھی ملک کا کم سے کم مجموعی اسکور ہے۔ انگلینڈ کی ٹیم آٹھ وکٹوں سے با آسانی میچ جیتنے میں کامیاب ہو گئی۔
ورلڈ کپ کے سلسلے میں ہونے والے پانچ ٹورنامنٹس کے کل ۱۲۲ میچز میں اس مقابلے کو ایک اور انفرادیت بھی حاصل ہے۔ وہ واحد میچ تھا جس میں دونوں کپتان بغیر کوئی رن بنائے آؤٹ ہوئے۔ کینیڈا کے کپتان برائین موریسٹ تھے جب کہ انگلینڈ کے کپتان مائیک بریرلی تھے۔

"ابا جب سب کو اللہ تعالیٰ نے برابر پیدا کیا ہے تو ہم اتنے غریب کیوں ہیں؟"
"بیٹا یہ اللہ کی مرضی ہے وہ کسی کو کسی طرح آزماتا ہے تو کسی کو کسی طرح.... بندے کا کام اس کی رضا میں خوش رہنا ہے" وہ قناعت سے کہتے....
"مگر پھر یہ لوگ ہمارے گھر اپنی پرانی چیزیں کیوں بھیج دیتے ہیں" وہ غصے سے پوچھتا۔
"بیٹا وہ ہماری مدد کرنا چاہتے ہیں.... اس لیے.... غصہ حرام ہے قادرے.... اس سے بچنا چاہیے۔"
اس زمانے میں ننھا قادر دن میں بھی خواب دیکھا کرتا.... ہر خواب میں کوئی مہربان جن یا مدد کرنے والی سبز.... پری اسے ڈھیروں روپے دے جاتی جن سے وہ ایک ڈیڑھ کمرے کے اپنے کچے مکان کی جگہ سڑک والے چوہدری صاحب جیسا بنگلا بنواتا.... گھر میں ہر چیز آجاتی.... نوکر کام کرتے.... وہ ماں کے ساتھ گاڑی کی سواری

کرتا اور ابا گاڑی میں مسجد جایا کرتے... گھر میں روز مزے مزے کے کھانے پکتے اور پھر وہ نوکر کے ہاتھ چوہدری صاحب کے گھر ایک پلیٹ میں تھوڑا سا کھانا ڈلوا کر بھجوا دیا کرتا... مگر یہ سب اس کے خواب تھے جو آنکھ کھولتے ہی صبح کے تارے کے مانند غائب ہو جایا کرتے باقی رہتی تو صرف اور صرف ان کی غربت... ان کا کچا مکان جسے لیپتے پوتتے اماں اور آپا کے ہاتھ دکھ جاتے... پانی جیسی دال اور روتی سسکتی زندگی۔

ہو سکتا تھا کہ زندگی کی نا آسودگی اس کے ذہن کو خوابوں کا باسی ہی بنا دیتی مگر ابا کی بیماری اس کے لیے عمل کا پیغام لے آئی۔ یوں تو حافظ صاحب ہمیشہ سے کمزور ہی تھے مگر سردیوں میں کھانسی وغیرہ ان کے لیے بہت تکلیف کا باعث بن جاتی۔ اس روز وہ ٹھنڈے پانی سے کیا نہائے گویا بخار کو مہمان بن کر آنے کا بہانہ مل گیا۔

"اماں تُو نے ابا کو پانی گرم کیوں نہیں کر دیا؟"

"کیا کرتی بیٹا... لکڑیاں تھوڑی کم تھیں، پر میں نے کہا تھا انہوں نے منع کر دیا تو میں چپ ہو رہی..." وہ گلوگیر لہجے میں بولیں۔

ابا بستر پر پڑ گئے... اس ماہ کی تنخواہ بھی نہیں مل پائی تھی... معلوم ہوا تھا کہ اب تنخواہ ایک ہفتے بعد ہی ملے گی۔ قادر کا چھوٹا بھائی غلام حیدر تین سال کا تھا جب کہ چھوٹا بہادر چند ماہ کا... دو تین دن تو اماں نے کسی طرح نکال دیے تھے مگر اس کے بعد کھانے کے لالے پڑ گئے تھے۔

"اماں بھوت لدی" (بھوک لگی) غلام حیدر کو صبح اٹھتے ہی ناشتے کی عادت تھی۔ اماں اسے بہلا ہی رہی تھی کہ سات سالہ قادر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

"ارے یہ کدھر جا رہا ہے سویرے سویرے..." اماں اسے نکلتا دیکھ کر آواز دے کر بولیں۔

"شاید کسی دوست کے گھر سے آٹا وغیرہ لینے گیا ہے اماں... جانے دے اسے" آپا نے جواب دیا قادر نے دونوں کا مکالمہ سنا تھا مگر وہ رکا نہیں... نہ ہی اپنی منزل کے بارے میں بتانے کے لیے اور نہ ہی ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے... اسے اب خود کو منوانا تھا اپنے گھر والوں کے لیے کچھ کر دکھانا تھا۔ ان کے محلے سے کچھ فاصلے پر کھاتے پیتے لوگوں کی بستی تھی وہیں ایک بڑی سی مارکیٹ بھی تھی۔ قادر وہاں کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ایک قدرے عمر رسیدہ خاتون اس کے سامنے گاڑی سے اتریں۔

"بیگم صاحبہ مزدور چاہیے..." قادر اس کے قریب پہنچ کر بولا۔

"مزدور؟ ارے تم خود اتنے چھوٹے ہو... سامان اٹھا بھی سکو گے..."

"جی بیگم صاحبہ آپ آزما لیں میں بہت سامان اٹھا لیتا ہوں... اور زیادہ ہوا تو دو چکر بھی کر دوں گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے آؤ..." یوں چند گھنٹوں میں وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ دو سیر آٹا، دال اور تھوڑی سی سبزی خرید سکے۔ وہ لدا پھندا گھر پہنچا تو اماں اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"کہاں سے لایا ہے تو یہ سب... کہاں سے آئے پیسے تیرے پاس... بول قادرے" وہ اس کی خاموشی پر اسے گھور کر بولیں۔

"اماں پہلے تو کچھ پکا تو لے پھر سوال جواب کر لینا۔"

"نہیں پہلے تو بتا کہ پیسے کہاں سے آئے تھے تیرے پاس جو تو یہ سب لے آیا..."

"ارے اماں ابھی غلام حیدر اٹھ کر رونے لگے گا..." قادر کو اماں کو چھیڑنے میں مزہ آنے لگا تھا۔

"جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ تو یہ سب کہاں سے لایا ہے میں ایک دانہ نہیں پکاؤں گی۔ حافظ قدیم کے گھر، مشکوک دانہ نہیں پک سکتا۔ رزقِ حلال کے لیے ہی ہم مردان سے یہاں تک آئے ہیں..." وہ بپھر کر بولیں۔

"واہ اماں واہ... خود پر اتنا ناز اور حافظ قدیم کے بیٹے پر اتنا شک... کیا میں کوئی غلط کام کر سکتا ہوں... محنت کر کے لایا ہوں یہ سب... صبح سے بازار میں بوجھ اٹھایا ہے اور اپنی مشقت کے پیسوں سے خریدا ہے یہ سب" قادر غصے میں کہتا گیا۔

"ماں صدقے... تو نے پہلے کیوں نہیں بتایا... میرے دل میں گمان آیا کہ شاید بھائی کا رونا اور اپنی بھوک نہیں سہار سکا تو اور چوری وغیرہ کر بیٹھا ہے چل مجھے معاف کر دے... ہاتھ منہ دھو... میں روٹی پکاتی ہوں۔"

یوں قادر کو ایک نیا راستہ مل گیا... محنت کا راستہ... وہ اسکول جاتا اور پھر واپسی پر کبھی سامان اٹھاتا کبھی کوئی اور چھوٹا موٹا کام کر لیتا جس سے کچھ اضافی آمدنی ہو جاتی۔ پڑھائی کا اسے ویسے بھی کچھ زیادہ شوق نہیں تھا بس ابا کی وجہ سے وہ اتنا پڑھ لیا کرتا کہ پاس ہو جائے۔ ایسا نہیں تھا کہ حافظ قدیم کوئی سخت گیر والد ہوں وہ تو کبھی زیادہ اونچی آواز میں بات تک نہیں کرتے تھے اسے یہ تک یاد نہیں تھا کہ ابا نے اسے کبھی ایک تھپڑ بھی مارا ہو ہاں اماں ضرور ڈانٹ ڈپٹ کر دیتیں پٹائی بھی لگا دیتیں مگر ابا کی حد سے زیادہ ناراضگی غصے بھری ایک نظر ہی ہوا کرتی اور یہی ایک نظر اسے پانی پانی کرنے کے لیے کافی ہوتی۔ وہ ابا کو خوش دیکھنا چاہتا تھا اور شاید یہی آرزو اسے پڑھنے پر آمادہ رکھے ہوئے تھی۔

اب وہ بوجھ بھی کم ہی اٹھایا کرتا عموماً وہ تھوڑی سی سبزیاں یا چھوٹی موٹی چیزیں خرید لیتا اور منافع رکھ کر بیچ دیتا۔ کم عمری میں بھی زندگی نے اسے اپنی خواہشات پر قابو پانا سکھا دیا تھا... ہاں ایک خواہش ایسی ضرور تھی جو اسے کبھی کبھار بہت تنگ کرتی۔ اسے ولایتی شربت کی بوتل خرید کر پینے کا بہت شوق تھا۔ کوکا کولا اس زمانے میں آٹھ آنے کی ملتی تھی۔ وہ ہمیشہ دوکان کے باہر کھڑا ہو کر

لوگوں کو بوتل پیتے دیکھتا مگر آٹھ آنے یکدم اس طرح خرچ کر دینا اس کے لیے بہرحال ایک بہت بڑی عیاشی تھی۔ اس کے دوست سکندر نے البتہ کوک پی تھی۔

"یہ بہت مزے دار ہے قادرے.... تو بھی پی لے نا...." وہ بوتل کو منہ سے لگاتے ہوئے بولا

"نہیں.... میرا دل نہیں چاہ رہا" قادر ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

"چل تیری مرضی ہے ورنہ ہے بہت اچھی...." قادر کی نظریں مسلسل سکندر کے ہونٹوں سے لگی بوتل پر جمی تھیں جو اب آدھی ہو چکی تھی۔

"سکندرے تو مجھے ایک گھونٹ تو پلا.... دیکھوں تو ہے کیسی" بالآخر وہ بول اٹھا۔

"نہیں یار.... بڑی مشکل سے خریدی ہے میں نے.... یہ میری بوتل ہے تجھے پینی ہے تو خود خرید لے" سکندر نے صاف انکار کر دیا۔

"اچھا.... اچھا تو مجھے ایک بار اسے ہاتھ میں تو لے لینے دے...." وہ بے اختیار لہجے میں بولا

"اچھا لے ہاتھ میں لے کر دیکھ لے مگر دیکھ پینا مت...." سکندر اسے تنبیہہ کرتے ہوئے بولا۔

قادر کو بوتل کا ٹھنڈا پھسلتا ہوا سا لمس بہت اچھا لگا تھا اس کا دل بوتل خریدنے کو مچل اٹھا مگر وہ دوکان سے پلٹ آیا۔

وقت بھی کیا چیز ہوتا ہے اچھا ہو یا برا بہرحال گزر ہی جاتا ہے سو وقت گزر رہا تھا ابا کی تنخواہ کے ساتھ قادر کی محنت کے شامل ہو جانے سے گھر میں کچھ تھوڑی سی خوش حالی پیدا ہوئی تھی مگر زندگی بہرحال ایسی تمام تر مشکلات اور سوالات کے ساتھ ان کے سامنے کھڑی تھی۔ دن اچھے برے گزر ہی رہے تھے۔

قادر کو جب موقع ملتا وہ گولیاں کھیلنے کا شوق پورا کر لیا کرتا۔ سب بچوں کی طرح کھیلنے کودنے کا شوقین تو خیر وہ بچپن ہی سے تھا ہاں اسے موقع کم ملا کرتا۔ اس کا پسندیدہ ترین کھیل رنگا رنگ گولیوں کی نشانہ بازی تھا یا پھر وہ ڈبیاں کھیلا کرتا کہ ان جیسی گلیوں میں بچے اس دور میں اسی قسم کے کھیل 'کھیل سکتے تھے۔ فٹ بال' کرکٹ' ہاکی وغیرہ شہروں اور شہری علاقوں کے کھیل تھے۔ شہر میں موجود مگر پسماندہ علاقوں میں اس وقت تک نہ تو یہ کھیل پہنچے تھے اور نہ ہی وہ بچے ان کا ساز و سامان خریدنے کا خرچ برداشت کر سکتے تھے۔ گولیاں کھیلنے میں البتہ قادر بہت ماہر تھا۔ اس کی نشانہ بازی نے اسے ڈھیروں گولیاں جتوائی تھیں۔

بچپن بہرحال بچپن ہی ہوتا ہے خواہ وہ نامساعد حالات کے پتھروں میں ہی کیوں نہ دبا ہو۔ اس کی ادا بہرحال جدا ہوتی ہے۔ شرارتیں اس کا حصہ ہوتی ہیں اور بے فکری اس کا خاصہ.... یوں قادر کو حالات نے وقت سے کافی پہلے ہی قدرے سنجیدہ اور حساس بنا دیا تھا مگر اس کے باوجود شرارت کا شعلہ بہرحال کبھی کبھار اپنی چمک دکھا دیا کرتا۔ ان سب دوستوں کی پسندیدہ شرارت لوگوں کو گھروں میں بند کرنا ہوا کرتی.... وہ گھروں کے دروازوں پر باہر سے کنڈی چڑھا دیتے اور پھر دروازہ بجا کر بھاگ لیتے.... گھر والے دروازہ... کھولنے کی کوشش کرتے اور پھر چیخ چلا کر دروازہ کھلوا لیا کرتے۔ ان کے محلے میں ہی ایک خالہ بی رہا کرتی تھیں۔ یوں تو ان کے اپنے گھر میں کافی لوگ تھے مگر اس کے باوجود انہیں محلے کی خبریں جمع کر کے آگے پھیلانے کا شوق بلکہ بیماری تھی۔ صبح ہوتے ہی وہ اپنا شٹل کاک برقع سر پر ڈالتیں اور گھر سے نکل کھڑی ہوتیں۔ اس کے بعد ان کی خبر رساں ایجنسی کام کرنا شروع کر دیتی۔ کون کیا کر رہا ہے؟ کس کے گھر کیا پکا ہے؟ کس میاں بیوی میں جھگڑا ہوا ہے؟ یا کس نے اپنے بچوں کو پیٹا ہے؟ کون سا لڑکا اسکول سے بھاگا ہے اور کس لڑکی کا کام کاج میں دیدہ نہیں لگتا۔ یہ ساری خبریں تازہ ترین اضافوں کے ساتھ ان کے ہمراہ سفر کیا کرتیں۔ زبان کی وہ بہت تیز تھیں اس لیے محلے کی عورتیں بلکہ مرد بھی ان سے گھبرایا کرتے اگر کسی سے جھگڑا ہو جاتا تو پھر تو وہ اس کے پیچھے ہی لگ جاتیں۔ اسی لیے عموماً سب ہی ان سے بنا کر رکھنے کی کوشش کرتے۔ قادر اور اس کے دوستوں کو خالہ بی سے بڑی شکایتیں تھیں۔ ایک تو وہ ان کی جاسوسی کی کوشش میں رہتیں اور پھر سارا دن کوئی نہ کوئی کام بتاتی رہتیں۔ خاص طور پر وہ ان کے کھیل کے وقت کام ضرور بتایا کرتیں۔

"یار آج تو خالہ بی نے میری زندگی حرام کر دی ہے" اس روز شبیر کھیلنے آیا تو اس کا منہ بنا ہوا تھا۔

بڑا انفرادی اسکور

ورلڈ کپ میں ڈیڑھ سو سے زائد رنز کی صرف تین اننگز کھیلی گئی ہیں۔ حیرت انگیز طور پر تینوں بڑے انفرادی اسکور قائدین کی عمدہ بلے بازی کا نتیجہ ہیں۔

۷ جون ۱۹۷۵ء کو پہلے ورلڈ کپ میں برمنگھم میں مشرقی افریقہ کے خلاف نیوزی لینڈ کے کپتان گلین ٹرنر نے آؤٹ ہوئے بغیر ۱۷۱ رنز بنائے تھے۔

۱۸ جون ۱۹۸۳ء کو ٹن برج ویلز میں زمبابوے کے خلاف بھارت کے کپتان کپیل دیو نے ناٹ آؤٹ ۱۷۵ رنز اسکور کیے تھے۔

اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو کراچی میں سری لنکا کے خلاف ویسٹ انڈیز کے قائد ویون رچرڈز نے ۱۸۱ رنز کی اننگز کھیلی تھی۔

"کیا ہوا....؟" سکندر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ارے ہونا کیا تھا' کل میں اسکول سے جلدی آگیا تھا نا' تو اس بڑی بی نے رات ابا جی کے کان میں جانے کیا پھونک دیا کہ گھر آتے ہی انہوں نے میری دھنائی کردی"

"ان سے تو میں بھی تنگ ہوں.... اماں کو بھی جانے کیا کہہ جاتی ہیں کہ وہ ابا کے آتے ہی ان کے پیچھے پڑ جاتی ہیں" سرور سرہلا کر بولا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ خالہ لال بھبھوکا سب سے زیادہ کس چیز سے ڈرتی ہیں؟" قادر گولیاں جیب میں ڈال کر بولا۔

"میرے خیال میں تو جن بھوتوں سے ڈرتی ہیں سب سے زیادہ...." محمد علی نے چہک کر بتایا "اس روز میری امی کے سامنے کانوں کو ہاتھ لگا رہی تھیں۔"

"بس تو کام ہوگیا...." قادر کی آنکھیں چمکنے لگیں "تم سب ادھر آؤ ہمیں پہلے اپنی تیاری کرلینی چاہیے۔ سرور تیرے گھر میں سفید چادر ہے....؟"

"ہاں ہے' قرآن خوانی والی چاندنی ہے نا۔"

"بس تو وہ لے آنا.... شہزادے تو اپنے ابا کا کالا قلم لے آؤ اگر سرخ روشنائی بھی مل جائے تو کیا بات ہے۔ اور محمد علی سب سے اہم کام تمہیں کرنا ہے تم خالہ کو رات کو عشا کی نماز کے بعد گلی میں لے آنا اور بعد میں غائب ہوجانا...."

"مگر میں ان کو کیا کہہ کر لاؤں گا باہر۔"

"ارے یار گھامڑ' کچھ بھی کہہ دینا۔ کہہ دینا کہ نکڑ والے مکان میں زبردست جھگڑا ہو رہا ہے وہ خود ہی تڑپ کر باہر نکل آئیں گی۔" سرور چٹکی بجا کر بولا۔

عشا کی نماز سے کچھ پہلے سرور چادر اور دوسرا سامان لے آیا تھا۔ سڑک کے کنارے پر لگی تیل کی بتی کی روشنی میں قادر نے چادر کو سر اور جسم کے گرد لپیٹ لیا پھر سرور نے اس کے کہنے کے مطابق سرخ روشنائی سے اس کا منہ رنگا اور کالی روشنائی سے اس کی آنکھوں کے گرد دائرے بنا دیے تھے۔

"یار تُو تو واقعی بہت خطرناک لگ رہا ہے...." محمد علی اسے دیکھ کر لرز کر بولا۔

"یہ بتا خالہ بی ڈریں گی یا نہیں...." قادر نے اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر پوچھا۔

"ڈرنا تو چاہیے...."

"بس آج اسے توبہ کرادوں گا پھر وہ کسی کے معاملے میں دخل نہیں دے پائے گی" قادر اپنی طرف سے جیسے کوئی نیک کام کرنے جارہا تھا۔ "چل محمد علی تو جا خالہ کے گھر...."

"دیکھ لے قادر' کوئی گڑبڑ نہ ہوجائے" محمد علی جاتے جاتے بولا۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا یار...." قادر اسے گھور کر بولا۔

کچھ دیر بعد محمد علی خالہ کو باہر لے آیا وہ سر پر برقع ڈالے پھونک پھونک کر قدم رکھ رہی تھیں۔

"ارے' او سردار کے بیٹے! آواز تو کوئی آ نہیں رہی.... تُو تو کہہ رہا تھا کہ زوروں کا دھمال پڑا ہے ایں...." وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولیں۔

"ارے خالہ تھوڑا آگے چلو نا.... یہاں سے کیا پتا چلے گا" وہ ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے بولا وہ کچھ قدم آگے بڑھی ہی تھیں کہ پیچھے سے قادر نکل کر ان کے پیچھے چلنے لگا۔

"ارے او محمد علی.... کہاں ہے جھگڑا' یہاں تو سارا میدان ٹھنڈا پڑا ہے" وہ مڑے بغیر بولے جارہی تھیں۔ محمد علی وہاں کہیں ہوتا تو جواب دیتا بھی.... خالہ چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کرتی رہیں پھر پلٹ کر بولیں "منہ سے کچھ پھوٹتا کیوں نہیں کم بخت.... ارے ارے ارے.... رے رے.... اے کوئی بچاؤ.... کون ہو تم.... کون ہو تم....؟" قادر کو اپنے پیچھے دیکھ کر پہلے تو ان کے منہ سے لایعنی آوازیں نکلتی رہیں پھر وہ بمشکل بولیں۔

"ہم شاہ جنات کے صاحبزادے ہیں...." قادر پھٹی پھٹی آواز میں بولا۔

"جج.... جج جی جناب.... شہزادے حضور.... بب بب.... مم.... میں کیا کرسکتی ہوں آپ کے لئے۔"

"ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔"

"لل لینے.... کک کیوں...."

"سنا ہے کہ تمہیں لوگوں کی بہت فکر رہتی ہے۔ اس لیے وہاں پرستان میں ایک ایسی عورت کی ضرورت ہے.... تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا.... بس ذرا سا مرنا ہوگا" قادر شاہانہ انداز میں بولا۔

"نن نہیں.... میری توبہ.... آپ کو کسی نے غلط بتادیا ہے سرکار.... مم.... میں تو کسی سے ملتی تک نہیں...."

"جھوٹ بولتی ہے" قادر ڈراؤنی آواز بنا کر چلّایا۔

"معاف کردیں سرکار.... بس ایک بار...."

"نہیں' تُو نے خلقِ خدا کو بہت ستایا ہے بس اب اور مہلت نہیں مل سکتی" وہ فیصلہ کُن لہجے میں بولا اور پھر خوفناک انداز میں چادر لہراتا ہوا اس کی جانب بڑھا....

"ارے بچاؤ.... لل.... مم مجھے معاف کردیں سرکار.... ارے بچاؤ...." خالہ یکدم غیر متوقع طور پر چلّاتی ہوئی برقع ہاتھ میں لے کر بھاگنے لگیں۔ قادر اس اچانک شور شرابے سے تھوڑا سا گھبرا گیا پھر یک لخت اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ بدبو نے گویا اس کی ناک پر حملہ کردیا تھا چند لمحے تو وہ سمجھ ہی نہیں سکا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے پھر اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ گندے پانی کے نالے میں قدم رنجہ فرما چکا ہے.... اتنی دیر میں خالہ بی کے شور شرابے نے سوئے ہوئے لوگوں کو بھی جگا دیا تھا لوگ لالٹینیں لے کر

گلی میں نکل آئے تھے پھر نہ جانے کس نے بری طرح دوڑتی خالہ کو قابو میں کیا... وہ روکنے کے باوجود مسلسل نکل بھاگنے کی کوششوں میں مصروف تھیں اور زبان پر "ارے بچاؤ..." کا نعرہ بلند تھا ایسے میں اُسے بھی بالآخر مجبوراً نالے سے برآمد ہونا ہی پڑا۔

"ارے... یہ کون ہے..." سامنے والے نجل چچا نے سب سے پہلے اسے دیکھا پھر اس کے وجود سے اٹھتی بلکہ نشر ہوتی "بو" نے سب کو ہی اس کی جانب متوجہ کرلیا۔

"یہ تو شاید حافظ جی کا بیٹا قادر ہے..." پان والے خالو نے اسے بغور دیکھ کر شناخت کرلیا..."

"مگر اس کا حلیہ کیا ہو رہا ہے...؟"

"ارے قادر تو کہاں چلا گیا تھا... یہ تو نے چادر کا کیا حشر کردیا ہائے اماں تو مجھے قتل کردیں گی۔" سرور اس کے قریب آکر بولا۔

"میں نالے میں گر گیا تھا..." وہ اتنا کہہ کر تیز تیز چلتا گھر میں داخل ہوگیا۔

اس رات تو اس نے اماں سے کچھ نہ کچھ بہانہ کرکے نہا دھو لیا مگر صبح یہ مقدمہ ابا کی عدالت میں پیش ہوگیا تھا۔ یوں تو رات کے ہنگامے اور پھر اس کے حلیے نے بہت کچھ آشکار کردیا تھا اس میں جو کچھ کمی رہ گئی تھی وہ محمد علی کے پکڑے جانے سے پوری ہوگئی۔ خالہ کے گھر والے یہ جانتے تھے کہ انہیں محمد علی باہر لے گیا تھا لہٰذا جب اس سے پوچھ گچھ ہوئی اور اس کی اماں نے اسے آٹھ دس تھپڑ لگائے تو وہ ٹرانسسٹر کی طرح بجنا شروع ہوگیا اس کے بعد اس سارے معاملے کا اصل ہیرو قادر ہی ثابت ہوا۔

"قادر میں یہ سب کیا سن رہا ہوں" ابا نے اسے مسجد میں ہی بلوالیا تھا۔

"ابا... وہ..."

"مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ یہ سب سچ ہے یا نہیں..." ابا نے پوچھا۔

"سچ ہے ابا..." وہ سر جھکا کر بولا... ابا سے جھوٹ بولنا اس کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔

"کیوں کیا تم نے یہ سب...؟" اس نے ابا کو پہلی بار غصے میں دیکھا تھا۔

"ابا وہ خالہ بی سب کا جھگڑا کرواتی ہیں اس لیے ہم نے... ہم نے سوچا کہ انہیں تھوڑا ڈرادیا جائے تاکہ وہ آئندہ ایسا نہ کریں... میرا مقصد انہیں ستانا نہیں تھا... میں تو صرف..."

"کیا صرف...؟ بولو جواب دو... پھر تمہارا مقصد کیا تھا کیا تم نے یہ سوچا تھا کہ اس طرح وہ خوش ہوں گی اور رات کے اندھیرے میں اگر کوئی تمہارے ساتھ یہ سلوک کرتا تو تمہیں کیسا لگتا... ذرا سوچو... اور پھر تم ہوتے کون ہو کسی کو سبق سکھانے والے... وہ جو بھی کچھ کرتی ہیں وہ ان کا اپنا عمل ہے تم نے کون سی شرافت دکھائی ہے ایک بوڑھی عورت کو ڈرا کر... جا کر ان سے

ٹاس

آسٹریلیا کے سابق کپتان کم ہیوز نے ۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۳ء کے ورلڈ کپ مقابلوں میں آسٹریلوی ٹیم کی قیادت کی تھی۔ اگرچہ وہ کچھ بہتر نتائج فراہم نہیں کرسکے تھے لیکن ان کے حوالے سے دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے جن ۸ میچز میں کپتان کی حیثیت سے شرکت کی۔ ان میں سے سات مسلسل میچز میں وہ ٹاس جیتنے میں کامیاب رہے تھے۔

○☆○

دوسرے عالمی کپ میں نیوزی لینڈ ٹیم کے کپتان مارک برجس تھے۔ وہ ان مقابلوں میں شریک ہونے والے قائدین میں اس لحاظ سے ممتاز حیثیت کے مالک ہیں کہ وہ کبھی ٹاس نہیں ہارے۔ انہوں نے چار میچز میں قیادت کی اور ہر مرتبہ ٹاس جیتا۔ دیگر ۳۴ کپتان کم از کم ایک بار ضرور سکّے کی بیوفائی کا شکار ہوئے۔

معافی مانگو..." ابا بہت غصے میں تھے۔

بہرحال ان سب نے پھر خالہ بی سے معافی مانگ لی تھی یہ اور بات ہے کہ انہوں نے اسے بہت مشکل سے معاف کیا تھا مگر ابا نے کئی دنوں تک اس سے بات نہیں کی تھی۔

ان دنوں اس کا ایک بڑا مشغلہ جعلی نوٹوں سے لوگوں کو بیوقوف بنانا تھا۔ وہ سب دوست کسی کونے میں بیٹھ جایا کرتے۔ دس روپے یا پانچ روپے کے جعلی نوٹ میں چھوٹا سا سوراخ کرکے اسے دھاگے سے بڑی صفائی سے باندھ دیا جاتا اور دھاگا ہاتھ میں لے کر کسی "شکار" کا انتظار کیا جاتا۔ گلی سے گزرنے والا کوئی بھی شخص جب گلی میں تنہا پڑے نوٹ کو دیکھتا تو ظاہر ہے کہ وہ اسے اٹھانے کے لیے جھکتا اب جونہی وہ نوٹ پکڑنا چاہتا قادر اور اس کے دوست دھاگے کو ذرا سا کھینچ لیتے یوں وہ شخص جھکا جھکا نوٹ کا تعاقب کرتا اور پھر لڑکوں کے قہقہے اس کو کھسیانا ہو کر بھاگنے پر مجبور کردیتے۔

قادر پڑھائی میں بہت اچھا تو خیر کبھی نہیں تھا مگر چھٹی جماعت میں ایک دفعہ کے سوا وہ کبھی فیل نہیں ہوا تھا خصوصاً حساب میں تو وہ بہت ہی اچھا تھا۔ سرکاری اسکولوں میں اس زمانے میں پانچ جماعتوں تک انگریزی نہیں پڑھائی جاتی تھی پھر چھٹی جماعت میں انگریزی بھی کورس کا حصہ بن جاتی... اب مزے کی بات یہ تھی کہ ابتدائی چند مہینوں کے بعد تقریباً تمام سال انگریزی کے استاد بیماری کی چھٹیوں پر رہے تھے۔ جب کہ آخری ماہ میں انہوں نے جو کچھ

پڑھایا وہ قادر کی سمجھ میں نہیں آسکا یوں وہ چھٹی جماعت میں فیل ہوگیا ابا نے اس کا رپورٹ کارڈ دیکھ کر اسے صرف ایک نظر دیکھا تھا مگر قادر کو خود اس بات کا افسوس تھا اور اس کی کسر اس نے اگلے سال یوں نکال لی تھی کہ اسکول والوں نے اسے چھ مہینے بعد ساتویں جماعت میں ترقی دے دی تھی۔

کرکٹ قادر کی زندگی میں بڑے ڈرامائی انداز میں داخل ہوئی تھی۔ اس روز وہ گلی میں بیٹھا گولیاں کھیل رہا تھا کہ اس کے اسکول کا دوست امجد اس سے ملنے آگیا امجد اس کے اسکول میں پڑھتا تھا مگر وہ اس کے گھر سے خاصا دور رہتا تھا۔ اس کا شمار قدرے خوشحال گھرانوں کے لڑکوں میں ہوتا تھا۔ اس سے پہلے وہ صرف ایک بار قادر کے گھر آیا تھا ورنہ وہ لوگ اسکول میں ہی مل لیا کرتے تھے۔

"ارے امجد کیا حال ہیں تیرے.... آ' نا...." قادر اسے دیکھ کر خوش ہوگیا۔

"ٹھیک ہوں.... تُو سنا کیسا ہے۔"

"اللہ کا شکر ہے.... آج کل تو کام بھی ٹھیک جارہا ہے" قادر مسکرا کر بولا

"یار قادر تجھ سے ایک کام ہے...."

"ہاں ہاں بول دوستوں کے لیے تو جان بھی حاضر ہے" قادر نے فلمی انداز میں کہا۔

"یار تو جانتا ہے نا کہ میں کرکٹ کھیلتا ہوں.... ہم نے باقاعدہ اپنے علاقے کی ٹیم بھی بنائی ہوئی ہے اور میچ بھی کھیلتے ہیں" امجد نے کہا۔

"کرکٹ....؟" قادر نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"ہاں.... ہاں.... کرکٹ.... تو نے کبھی کرکٹ نہیں کھیلی؟"

"نہیں" قادر سادگی سے بولا۔

"ابے یار وہ جو ایک بلّا لے کر اس سے گیند کو مارتے ہیں باقی لوگ گیند پکڑ کر کھلاڑی کو آؤٹ کرنے کی کوشش کرتے ہیں" امجد اسے سمجھاتا ہوا بولا۔

"میں نے کبھی یہ کھیل نہیں دیکھا" قادر نے جواب دیا اور یہ حقیقت بھی تھی۔ وہ جن گلیوں کا باسی تھا وہاں اس قسم کے کھیل نہیں کھیلے جاتے تھے آج کل تو کرکٹ' ہاکی سب ہی اتنے مقبول ہوگئے ہیں کہ کچی بستیوں میں تو کیا گاؤں دیہات میں بھی بچے بچے کو ان کھیلوں کا علم ہے اور ذرائع ابلاغ کی ترقی نے کھیلوں کو دور دراز کے علاقوں میں پہنچا دیا ہے مگر اس زمانے میں ایسا نہیں تھا۔ اول تو کھیلوں کی نہ تو اتنی کوریج ہوتی تھی اور نہ ہی یہ کھیل اتنے جانے جاتے تھے۔ لڑکیاں گڑیا کھیلتیں جب کہ لڑکے کنچے گولیاں.... گلی ڈنڈا اس قسم کے کھیلوں سے دل بہلاتے تھے کرکٹ ہاکی وغیرہ دولت مند اور اچھے متوسط گھرانوں کے لیے مخصوص تھے۔

"تو دیکھ لینا اب.... یہ کوئی اتنا مشکل کھیل نہیں ہے بس یہ سمجھ لے کہ اگر کسی کا نشانہ اچھا ہے تو وہ کرکٹ کھیل سکتا ہے بلّے سے گیند کا نشانہ لگا کر اسے دور پھینکنا ہوتا ہے اور پھر دوڑ کر رن بنالینا ہوتا ہے" امجد اسے تفصیل سے سمجھا کر بولا۔

"یعنی بھاگنا...." قادر اپنا سبق دہرا کر بولا۔

"نہیں یار اس رن کا مطلب ایک گول ہے.... بس تُو یہ سب چھوڑ' یہ بتا کہ کل تو ہمارے میچ میں کھیلے گا؟ دراصل ہمارے لڑکے کچھ کم ہوگئے ہیں اور یہ میچ کھیلنا ضروری ہے۔"

"میں.... کیوں مذاق کررہا ہے مجھے کرکٹ کا کاف تو آتا نہیں ہے اور تو مجھے میچ کھیلنے کو کہہ رہا ہے کیوں اپنا ڈبا گول کرنا چاہتا ہے" قادر قہقہہ مار کر بولا یوں تو وہ ہنس رہا تھا مگر اندر سے اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے یہ کھیل بہت دلچسپ لگ رہا تھا.... اس کا ذہن اسے سمجھا رہا تھا کہ اسے اس کھیل کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے اس لیے ہامی بھرنا بذاتِ خود ایک حماقت ہوگی مگر اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یہ کھیل ایک بار ضرور کھیلے۔

"بس تُو وہاں کھڑے ہوجانا' باقی میں سنبھال لوں گا.... تجھے سمجھادوں گا میں سب.... بول پھر کھیلے گا۔"

"اگر تو کہے گا تو میں کھیل لوں گا مگر بات صاف ہے کہ مجھے کچھ آتا جاتا نہیں ہے اگر تیرا یا تیری ٹیم کا کوئی نقصان ہوگیا تو مجھے کچھ مت کہنا۔"

"نہیں کہوں گا یار.... مجھے معلوم ہے کہ تمہیں کرکٹ نہیں آتی لیکن گنتی تو پوری ہوجائے گی نا.... ویسے لڑکے تو اور بھی مل سکتے ہیں مگر اصل مسئلہ ایک اور بھی ہے...."

"کیسا مسئلہ...."

"دراصل جس ٹیم سے ہمارا مقابلہ ہے اس کے کئی لڑکوں سے ہمارا پھڈا چل رہا ہے.... ہو سکتا ہے کہ میچ میں کوئی جھگڑا وغیرہ ہوجائے ایسے میں دوستوں کی ضرورت پڑے گی اسی لیے میں تجھے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔" امجد بولا۔

"ارے ایسی بات ہے تو سوچنے کی ضرورت ہی کیا ہے.... تُو فکر ہی نہیں کر' دو چار کے لیے تو میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ اگر انہوں نے جھگڑا کیا تو وہ خود پچھتائیں گے۔" قادر جوشیلے لہجے میں بولا۔

یوں وہ ہمیشہ سے یاروں کا یار تھا۔ دوست چاہے غلطی پر ہوں یا صحیح ہوں قادر ہمیشہ ان کی طرف ہی ہوتا۔ وہ ایک بار اسکول میں بھی وہ دوستوں کے جھگڑوں میں مار پیٹ کرچکا تھا۔

"خیر ہو سکتا ہے کہ اس کی ضرورت ہی نہ پڑے پھر بھی اپنے طور پر انتظام تو رکھنا ہی چاہیے" امجد سرہلا کر بولا "پھر تو صبح تیار رہنا' میں ساڑھے آٹھ بجے آکر تجھے لے جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے" قادر تو یوں بھی فجر کی نماز پر اٹھنے کا عادی تھا۔ صبح کی نماز وہ ابا کے ساتھ مسجد میں ہی پڑھا کرتا۔

"ایک بات بتانا قادر...." امجد جاتے جاتے پھر مڑا "تیرے

پاس سفید پینٹ شرٹ ہے...کوئی؟"

"نہیں...." قادر دھیرے سے بولا۔ اب وہ امجد کو کیا بتاتا کہ اس کے پاس تو کوئی بھی پینٹ شرٹ نہیں ہے۔ ایک کالی پینٹ جو وہ کبھی کبھار پہن لیا کرتا ہے وہ بھی چوہدری صاحب کے بیٹے کی اترن ہے جو انہوں نے اسے ازراہِ کرم عنایت کردی تھی۔

"اچھا چل کوئی بات نہیں ہے میں تیرے لیے کپڑے لیتا آؤں گا۔ تیرا میرا ناپ تو تقریباً ایک ہی ہے نا...."

امجد اس سے معاملہ پکا کر کے چلا گیا تھا مگر قادر کا دل جوش میں بھر گیا... اس وقت تک اسے کرکٹ کے بارے میں معلومات تو نہیں تھیں نہ ہی وہ یہ جانتا تھا کہ یہ کھیل کہاں کہاں کس طرح کھیلا جاتا ہے نہ ہی اسے اس سے کوئی دلچسپی تھی مگر ایک نئے تجربے کے خیال نے اسے ضرور جذباتی کر رکھا تھا۔

دوسری صبح امجد وقت پر آگیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا جس میں قادر کی کٹ تھی۔

"چلو جلدی سے تیار ہوجاؤ...." امجد اسے کپڑے وغیرہ دیتے ہوئے بولا۔

"ابھی ایک منٹ میں آیا...." قادر واقعی چند لمحوں میں تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ امجد کی پینٹ اسے پوری آئی تھی شرٹ البتہ ہلکی سی تنگ تھی مگر بہرحال اس نے اسے پہن لیا تھا۔

"چلو وہاں پہنچنے میں پندرہ منٹ تو لگ ہی جائیں گے" امجد تیز قدموں سے چلتا ہوا بولا۔

راستے بھر وہ قادر کو کرکٹ کے بارے میں لیکچر دیتا آیا تھا "کرکٹ گیارہ بندوں کی دو ٹیمیں کھیلتی ہیں۔ ایک ٹیم کے دو لڑکے بیٹنگ کرتے ہیں جب کہ دوسری ٹیم کے دس لڑکے فیلڈنگ کرتے ہیں اور گیارھواں بال پھینکتا ہے۔ بیٹسمین کو سامنے سے آتی بال کو بیٹ سے ہٹ کرنا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔"

قادر کے لیے یہ سب باتیں بہت عجیب تھیں۔ کسی کھیل میں اتنے قاعدوں کا خیال رکھنا ہی سب سے پہلے اسے الگ سا لگ رہا تھا۔ کھیل تو اس کے خیال میں بس کھیل ہوتا تھا اگر کھیل میں بھی قاعدے قانون چلنے لگیں تو اس میں اور اسکول میں فرق کیا رہ جاتا مگر اب امجد کی زبانی کرکٹ کے بارے میں سن سن کر وہ مسلسل حیران ہو رہا تھا۔

"لو بھئی گراؤنڈ آگیا... تم سمجھ گئے نا قادر...."

"ہاں...." قادر کی سمجھ میں تو خیر خاک آیا تھا مگر اس نے سر ہلا دیا۔

ان دنوں اس قسم کے میچز میں رواج یہ تھا کہ جو کھلاڑی ٹیم میں کمزور ترین ہوتے تھے انہیں سب سے پہلے کھیلنے بھیجا جاتا تھا تاکہ کھیل جمتے جمتے اچھے کھلاڑیوں کی باری آجائے... ان کے گراؤنڈ پر پہنچنے کے بعد سکہ اچھال کر ٹاس کیا گیا اس کے لیے یہ ٹاس دیکھنے کا بھی پہلا موقع تھا۔ امجد کی مخالف ٹیم ٹاس جیت گئی تھی مگر

مردِ میدان

گراہم گوچ ورلڈ کپ مقابلوں کی تاریخ میں واحد کھلاڑی ہیں جو لگاتار تین میچز میں مردِ میدان قرار دیے گئے۔

چوتھے ورلڈ کپ ۱۹۸۷ء میں جے پور میں غرب الہند کے خلاف انہوں نے ۹۲ رنز کی عمدہ اننگز کھیل کر انگلینڈ کو کامیابی دلائی تو مین آف دی میچ قرار پائے۔ پھر سری لنکا کے خلاف ۶۱ رنز بنا کر انہوں نے ایوارڈ جیتا اور بمبئی میں بھارت کے خلاف سیمی فائنل میں ان کی شاندار سنچری کے باعث انگلینڈ کو فتح حاصل ہوئی تو ایک بار پھر وہی مردِ میدان منتخب کیے گئے۔

بڑا فرق

ورلڈ کپ میں سب سے بڑی فتح کا ریکارڈ پہلے عالمی کپ کے پہلے ہی دن قائم ہوا تھا جو آج تک نہیں ٹوٹا۔

۷ جون ۱۹۷۵ء کو لارڈز پر انگلینڈ کی ٹیم نے ۶۰ اوورز میں ۴ وکٹوں پر ۳۳۴ رنز اسکور کیے تھے۔ جواباً بھارت کی ٹیم اتنے ہی اوورز میں ۳ کھلاڑیوں کے نقصان پر صرف ۱۳۲ رنز بنا سکی۔ یوں اسے ۲۰۲ رنز کی ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ کبھی کوئی اور ٹیم اتنے بڑے فرق سے نہیں ہاری۔

مبشر علی زیدی، کراچی

انہوں نے امجد کی ٹیم کو بیٹنگ کرنے کو کہا۔

چونکہ امجد کی ٹیم میں سب سے ناتجربہ کار نیا اور اناڑی کھلاڑی وہ ہی تھا اس لیے انہوں نے اسے ہی اوپن کرنے کے لیے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

"چلو قادر! تیار ہو جاؤ تمہیں فیصل کے ساتھ اوپن کرنا ہے" امجد اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"مجھے کیا کرنا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اوپن.... یار میرا مطلب ہے کہ تم دونوں میچ شروع کرو گے بیٹنگ کرنے جاؤ" وہ رسان سے بولا "تم ادھر آؤ میں تمہیں تیار کردوں۔"

"مجھے سب سے پہلے جانا ہے" وہ گھبرا کر بولا۔ وہ تو اس اطمینان سے بیٹھا تھا کہ دو چار لڑکوں کو کھیلتا دیکھ لے گا تو اس کھیل

کی شاید کچھ سمجھ آجائے مگر اب یہ اعلان بم کی طرح اس پر گرا تھا کہ میچ کی پہلی بال خود اس کو ہی کھیلنا ہے۔

"مگر بار میں ہی کیوں؟ مجھے تو ابھی بالکل کچھ نہیں آتا...."

"اسی لیے.... تو.... جو کھلاڑی بالکل نئے ہوتے ہیں انہیں پہلے بھیجا جاتا ہے۔ ہمارے کوچ صاحب کہتے ہیں کہ یہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ نئے لڑکوں کو موقع ملے ورنہ اچھے کھلاڑی جم جاتے ہیں پھر میچ ختم ہو جاتا ہے نئے لڑکوں کو کھیلنے کا موقع نہیں ملتا نا' اس لیے...." امجد نے جواب دیا "ذرا پاؤں یہاں بڑھانا۔"

"کیوں...." اس نے اس کے کہنے سے پیر آگے بڑھا دیا مگر سوال بھی داغ دیا۔

"بھئی یہ پیڈ باندھتے ہیں تاکہ بال تمہارے پیروں پر نہ لگے" اس نے پیڈ باندھ کر اسے تیار کر دیا "کھیل تو میں نے تمہیں سمجھا دیا ہے نا۔ بس تمہیں اپنے اس بلے سے گیند کو نشانہ بنانا ہے۔ اگر بالر کی گیند تمہارے پیچھے لگی وکٹ پر رکھی گلیاں گرا دے یا کوئی کھلاڑی تمہاری پھینکی ہوئی بال کیچ کر لے تو تم واپس آجانا کیونکہ اس طرح تم آؤٹ ہو جاؤ گے...."

امجد کی ہدایات دل ہی دل میں دہراتے ہوئے وہ وکٹ کی طرف بڑھ گیا۔ پیڈ باندھ کر چلنے کا یہ اس کا پہلا اتفاق تھا۔ اس لیے اسے اپنے پیر بہت وزنی لگ رہے تھے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اتنے بھاری ٹکڑے باندھ کر بھاگنا کیسے ممکن تھا وہ تو چل بھی مشکل سے رہا تھا۔ اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ قربانی کا بکرا ہو جسے سجا سنوار کر قسائی کے حوالے کیا جا رہا ہو مگر اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا وہ امجد سے وعدہ کر چکا تھا اس لیے خاموشی سے چلتا ہوا اپنی مخصوص جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔

دوسرے اینڈ سے بالر دوڑتا ہوا آیا اور اس نے بال قادر کی طرف پھینکی یہ قادر کی زندگی کی پہلی بال تھی۔ وہ بال کو دیکھ کر بلا گھما ہی پایا تھا کہ بال سیدھی وکٹوں پر گری اور وکٹیں اڑ گئیں.... امجد اسے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ اس صورت میں اسے گراؤنڈ سے واپس جانا ہوگا۔ یہ سوچ کر اس نے بلے کو بغل میں دبایا اور واپس آنے لگا۔

"ارے تم کہاں جا رہے ہو....؟" وکٹ کے پیچھے کھڑے لڑکے نے حیرت سے کہا۔

"واپس.... میں آؤٹ ہو گیا ہوں نا" قادر نے قدرے مسرت سے اسے بتایا۔

"نہیں بھئی.... تم نے سنا نہیں تھا کہ یہ ٹرائی بال تھی...." اس نے کہا۔

"ٹرائی بال...." قادر نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں ہاں' ابھی تم آؤٹ نہیں ہوئے" لڑکے نے اسے بتایا۔

"مگر امجد نے تو کہا تھا...." وہ کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ اتنی دیر میں امجد بھی اس کے پاس آکر اسے تسلی دے چکا تھا۔ وہ ایک بار پھر بلا تھام کر کھڑا ہو گیا۔ یہ بات تو وہ ایک بال ہی میں سمجھ چکا تھا کہ یہ کھیل اتنا آسان نہیں ہے وہ گولیوں کی نشانہ بازی میں ماہر تھا اس لیے بال کے سائز کو دیکھ کر اسے لگا تھا کہ اسے نشانہ بنانا تو بہت آسان کام ہوگا مگر تجربے نے اس کے خیال کی نفی کر دی تھی۔

اس بار بالر پھر بھاگتا ہوا آیا اور اس نے قادر کو گیند کی.... مگر یہ تجربہ بالکل پچھلی بار کے مانند ری وائنڈ ہو گیا۔ قادر نے آگے بڑھ کر گیند کو مارنے کی کوشش کی مگر گیند ایک بار پھر سیدھی وکٹوں میں جا گھسی۔ بالر نے ایک زوردار نعرہ لگایا۔ فیلڈرز اس کے گرد جمع ہو کر اسے مبارکباد دینے لگے مگر قادر اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔

"اوہ بھائی.... اب تم آؤٹ ہو گئے ہو...." اسے کریز پر جما دیکھ کر وکٹ کیپر پھر بولا۔

"پچھلی بار اسی طرح ہوا تھا تو تم نے کہا تھا کہ میں آؤٹ نہیں ہوں اب کہہ رہے ہو کہ آؤٹ ہو گیا ہوں یہ کیسا کھیل ہے" وہ بگڑ کر بولا۔

"بھائی اس وقت ٹرائی بال تھی اس لیے تم آؤٹ نہیں ہوئے تھے مگر اب تو میچ شروع ہو چکا ہے...." اس نے اسے سمجھایا۔

"اچھا...." قادر اس کے باوجود چند لمحے کھڑا سوچتا رہا۔ اتنی دیر میں اس کی ٹیم کا ایک کھلاڑی بھاگتا ہوا اس کے پاس آپہنچا۔

"چلو.... تم آؤٹ ہو گئے اب جلدی واپس جاؤ تاکہ تمہارے پیڈ دوسرے کھلاڑی کو باندھے جاسکیں" وہ آہستہ سے بولا۔ قادر اس کی بات سن کر خاموشی سے واپس آگیا اور امجد کو پیڈ دے کر واپس جانے لگا۔

"ارے یار ابھی میچ ختم تو نہیں ہوا ہے' ہمیں ان کی باری بھی تو دینی ہے۔"

"نہیں' میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں کھیلوں گا۔ میں بے اعتبار لوگوں سے بات نہیں کرتا۔"

"کیا بات ہو گئی مگر....؟" امجد حیرانی سے اسے دیکھ کر بولا۔

"تمہارے اس دوست نے وہاں وکٹ پر آکر دوسری ٹیم کے لڑکوں کے سامنے مجھ سے کہا کہ پیڈ اتار دو.... کیا میں تمہارے پیڈ لے کر بھاگا جا رہا تھا...." قادر غصے سے بولا۔

"ارے...." امجد اس کی بات سن کر قہقہہ مار کر ہنس پڑا "یار تو بھی واقعی گھامڑ ہے' ابے احمق دراصل ہماری ٹیم کے پاس پیڈ کا ایک ہی جوڑا ہے جو تمہیں اور فیصل کو پہنا دیا تھا اب جب تک تو واپس نہیں آتا یہاں سے دوسرا کھلاڑی جا نہیں سکتا تھا اس لیے یہ کہا تھا...."

"اچھا...." قادر کا موڈ فوراً ہی بحال ہو گیا "میں سمجھا کہ شاید ویسی کوئی بات ہے" وہ قدرے کھسیانا ہو کر بولا۔

"احمق ہے تو...."

"امجد میں فوراً آؤٹ ہو گیا ہوں' تجھے کوئی کچھ کہے گا تو نہیں" چند لمحوں بعد اسے دوسرے اندیشے نے آستایا۔

"نہیں یار... سب جانتے ہیں کہ تُو نیا ہے اور میری دوستی میں آیا ہے ویسے کھیل میں تو بعض اوقات اچھے اچھے کھلاڑی پہلی گیند پر آؤٹ ہوجاتے ہیں" امجد اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

وہ پورا دن قادر نے میچ دیکھتے ہوئے گزارا۔ خصوصاً فیلڈنگ میں اسے بہت مزہ آیا۔ بالنگ کا البتہ اسے موقع نہیں مل سکا۔ بہر حال وہ میچ امجد کی ٹیم جیت گئی تھی۔ اور کسی قسم کا کوئی جھگڑا وغیرہ بھی نہیں ہوا تھا۔ سب ہی لڑکے بہت خوش تھے۔

"یار قادر... مبارک ہو... ہم جیت گئے..." امجد اسے گلے سے لگاتا ہوا بولا۔

"ہاں یار... مگر میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا... پہلی ہی گیند پر تو آؤٹ ہوگیا تھا۔"

"ارے مگر ٹیم میں تو تھا پھر تُو نے فیلڈنگ بہت اچھی کی" امجد اسے سراہتے ہوئے بولا اس شام وہ کافی دیر تک امجد اور دوسرے لڑکوں کے ساتھ ان کے محلے میں ان کی بیٹھک پر بیٹھا۔

"ہاں بھئی امجد ... میچ کا کیا رہا...؟" ہر آتا جاتا اس کے سامنے یہی سوال کررہا تھا۔ اور جیت جانے کی خبر سن کر باقاعدہ لڑکوں کی پیٹھ ٹھونکی جاتی... شاباشیں دی جاتیں۔ قادر خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"تُو کیا سوچ رہا ہے بھئی" اسے خاموش دیکھ کر امجد نے اسے بلایا۔

"یار امجد" یہ کھیل تو بڑا مقبول ہے۔ لوگ تم لوگوں کی بڑی عزت کرتے ہیں" وہ کچھ دیر بعد بولا۔

"تو اور کیا بھئی... بہت بڑا کھیل ہے کرکٹ... اس کی تو باقاعدہ ملکی ٹیمیں بنتی ہیں دوسرے ملکوں سے مقابلے ہوتے ہیں ساری دنیا میں لوگ کھیلتے ہیں اسے" امجد سرہلا کر بولا۔

"واقعی...؟" قادر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"اور کیا بھئی' یہ کھیلوں کا سردار کھیل ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بھی کرکٹ کھیلا کرو" امجد نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کیا میں یہ کھیل کھیل سکتا ہوں؟" اس نے اس سے پوچھا۔

"ہاں بھئی کیوں نہیں بالکل کھیل سکتے ہو... بھئی جب میں کھیل سکتا ہوں تو تم کیوں نہیں کھیل سکتے؟"

"مگر مجھے تو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے نہ ہی مجھے کھیلنا آتا ہے۔"

"تو پھر کیا ہوا؟" ہر کھلاڑی کبھی نہ کبھی نیا ہوتا ہے تُو ایسا کرنا ہمارے ساتھ پریکٹس کیا کر..."

"کیا یہ ممکن ہے؟" قادر خوش ہوکر بولا۔

"ارے کیا اسٹامپ پیپر پر لکھوائے گا بالکل ممکن ہے بلکہ طے ہوگیا ہے اب تُو ہمارے ساتھ کرکٹ کھیلا کرے گا..." امجد نے گویا بات ختم کردی۔

یہ کرکٹ سے قادر کا پہلا تعارف تھا۔ اس کے بعد اس کی دوپہریں کرکٹ کے ساتھ ہی گزرنے لگیں۔ میٹرک پاس کرنے تک وہ کرکٹ کا اچھا خاصا کھلاڑی بن چکا تھا۔ گھریلو حالات کی بنا پر وہ پھر بھی کرکٹ کو اتنا وقت نہیں دے پاتا تھا جتنا کہ اس کے خیال میں اسے دینا چاہیے تھا پھر اس دوران بہن کی شادی نے معاشی حالات کو کچھ اور دگرگوں کردیا تھا۔ قادر اب وزن تو نہیں اٹھاتا تھا مگر چھوٹے موٹے کام جاری تھے۔ وہ میٹرک میں تھا جب ہی اسے ایک دوکان پر پارٹ ٹائم جاب مل گئی تھی۔ وہ شام چھ سے رات گیارہ بجے تک دوکان پر بیٹھا کرتا۔ اسے کئی نئے تجربے بھی ہوئے۔ اور زندگی کے کئی نئے تجربات اس کے مشاہدے سے گزرے۔

"دیکھ قادر! میں نے تجھے اس لیے کام پر نہیں رکھا کہ تُو مجھ سے بحث کیا کرے بس جو میں تجھ سے کہوں چپ چاپ وہ کام کردیا کر..." آخر ایک روز مالک سے اس کی جھڑپ ہو ہی گئی۔

"مگر صاب... میں یہ کام کیسے کرسکتا ہوں۔ آپ کہتے ہیں کہ چیزوں میں ملاوٹ کروں۔ ادھر ابا کہتا ہے کہ اس سے بڑا گناہ کوئی اور نہیں ہے پھر کوئی ہمارا سامان کھا کر بیمار بھی تو ہوسکتا ہے..."

"یہ سب سوچنا تیرا کام نہیں ہے نہ ہی یہ سب تیری ذمہ داری ہے تُو تو صرف یہ سوچ کہ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ اپنے کام کو عبادت سمجھو۔ تو اپنا کام کر اور بس..." دوکان کا مالک بولا۔

"نہیں صاب میں یہ کام نہیں کرسکتا' نہ ہی آپ کو کرنے دوں گا" قادر تن کر بولا۔

"ابے چل دو ٹکے کا لونڈا' تُو روکے گا مجھے... مولوی صاحب کا لحاظ کررہا ہوں ورنہ کب کا نوکری سے نکال باہر کرچکا ہوتا..." وہ چراغ پا ہوکر بولا۔

"تو میں بھی تمہاری نوکری پر تھوکتا بھی نہیں ہوں خود بھی بے ایمانی کرکے مردار جانور کا گوشت کھاتے ہو اور دوسروں سے بھی یہ توقع رکھتے ہو۔" قادر بھڑک کر بولا یوں اس کی یہ ملازمت چند مہینوں میں ہی ختم ہوگئی۔ وہ ایک بار پھر چھوٹی موٹی چیزیں خرید کر بیچنے یا مختلف جگہوں پر عارضی طور پر کام کرنے لگا تھا۔

میٹرک کے بعد ہونے والی چھٹیوں میں قادر کی زندگی میں رشتوں کا ایک نیا باب کھلا۔ وہ اس شام بھی کرکٹ کھیل کر تھکا ہارا گھر پہنچا تو خلافِ معمول ابا کو گھر میں پایا۔

"خیریت تو ہے... ابا کی طبیعت تو ٹھیک ہے" اس نے اندر جاکر چھوٹے بھائی غلام حیدر سے پوچھا۔

"ہاں اصل میں گاؤں سے لوگ آئے ہوئے تھے اس لیے ابا گھر آگئے تھے۔"

"اچھا کون آیا تھا...؟" اس نے سرسری طور پر پوچھا۔

"معلوم نہیں میں خود اسکول سے دوکان پر چلا گیا تھا" غلام حیدر بھی ان دنوں اسکول کے بعد ہارڈ ویئر کی دکان پر بیٹھ رہا تھا۔

یوں تو لوگ آتے جاتے رہتے تھے مگر ابا ہمیشہ اپنے معمول کے مطابق کام کرتے تھے۔ اس لیے قادر کو تھوڑی حیرت ہوئی۔ شام کو اماں نے بہرحال اس کی حیرت دور کردی۔

"تیرے چاچا کے یہاں سے لوگ آئے تھے" وہ قادر سے مخاطب ہو کر بولیں۔

"خیر ہے اماں...."

"ہاں ہاں سب خیر ہے بلکہ خوشی کی خبر ہے" اماں لہک کر بولیں۔

"خوشی کی خبر؟"

"ہاں تیرے ابا نے تیرے چاچے کی بیٹی مینا کے ساتھ تیری تاریخ پکی کردی ہے" اماں نے کہا۔ قادر جو بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اس کے ہاتھ سے لقمہ پلیٹ میں گر گیا۔

"کیا اماں....! میری شادی....!" وہ حیرت سے بولا۔

"لے تو اور کیا.... ماشا اللہ پورا جوان ہوگیا ہے پھر بیٹی والے کب تک بیٹی کو بٹھائے رکھیں گے.... میرا بھی ارمان پورا ہو، گھر میں بہو آجائے تو کچھ رونق لگے۔"

"ہاں تاکہ جھگڑے ہوں اور محلے والے سنیں...." قادر تیز لہجے میں بولا۔

"ارے اللہ نہ کرے.... کیا بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے اب کیا وہ مجھ سے جھگڑے گی.... تو بھی بس پاگل ہی ہے۔"

"مگر اماں یہ تو سوچ کہ ابھی میں کیا کرتا ہوں.... کچھ کماتا بھی نہیں ہوں ٹھیک سے.... گھر کے حالات بھی ہمارے کچھ اتنے اچھے نہیں ہیں ایسے میں بوجھ بڑھانا عقلمندی ہے کیا....؟"

"تو بڑا عقلمند ہوگیا ہے چار جماعتیں پڑھ کر.... ارے پالنے والا تو پاک پروردگار ہے پھر ہر کوئی اپنا رزق خود لاتا ہے ایسی بات بھی نہ کرنا اپنے ابا کے سامنے بس اگلے چاند کی گیارہ کو نکاح ہے تیرا...."

"اتنی جلدی....؟" قادر واقعی گھبرا گیا تھا۔

"تو ہمیں کون سا گھوڑے ہاتھی کا بندوبست کرنا ہے گھر کی لڑکی ہے گھر کا لڑکا ہے زیور میں جھمکے میرے رکھے ہیں اور باقی کھانے کا بندوبست لڑکی والے کریں گے.... تو نہ گھبرا سب ہو جائے گا بس...." اماں اسے تسلی دیتے ہوئے بولیں۔

"مگر اماں...."

"ارے کیا اماں اماں کیے جا رہا ہے کچھ شرم حیا بھی ہے کہ نہیں.... اپنی شادی کی بات کیسے پٹر پٹر کر رہا ہے بالکل ہی بدل گیا ہے سب کچھ۔ تو پیدا ہوا تب تک تیرا ابا کسی کے سامنے مجھ سے بات تک نہیں کرتا تھا تجھے بھی گود میں اٹھاتے ہوئے شرماتا تھا۔ ایک تو ہے کہ ماں سے شادی پر بحث کر رہا ہے" اماں تیز تیز بولے جارہی تھیں پھر جیسے انہیں کچھ خیال آیا "یہ بتا قادرے کہیں کوئی اور چکر تو نہیں ہے تو سارا دن باہر رہتا ہے کسی اور لڑکی کو پسند تو نہیں کرتا تو...." وہ مشکوک ہو کر بولیں۔

"نہیں نہیں اماں توبہ کریں...." وہ گڑبڑا کر کھڑا ہوگیا۔

"تو پھر اتنی بحث کیوں کر رہا ہے اور دیکھ اپنے ابا کے سامنے کوئی ٹیڑھی میڑھی بات مت کرنا، ناراض ہو جائیں گے وہ ورنہ.... سمجھا نا...." اماں اسے سمجھاتی رہیں۔ وہ بات ختم کرکے جلدی سے گھر سے نکل گیا تھا۔ اماں کی بات نے اس کا چہرہ شرم سے سرخ کردیا تھا۔ زندگی کا یہ رخ تو اب تک اس کے سامنے کبھی آیا ہی نہیں تھا اس نے کبھی کسی لڑکی کی جانب نہ تو غور سے دیکھا تھا اور نہ ہی اس کے خیال میں اسے ایسا کرنا چاہیے تھا۔

اماں کو دیکھو جو منہ میں آتا ہے کہے چلی جاتی ہے، وہ ان کی بات کے بارے میں سوچ کر دل ہی دل میں بڑبڑایا۔

"شادی".... اس بارے میں تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا اور کبھی اگر یہ لفظ اس کے ذہن میں آیا بھی تھا تو صرف اور صرف آپا کے حوالے سے.... مگر اب خود اس کی شادی ہونے والی تھی.... یہ سوچنا بھی قادر کو عجیب سا لگ رہا تھا.... اسے نہ تو ابا اماں کے انتخاب پر کوئی اعتراض تھا نہ ہی اس کے کچھ خاص آئیڈیلز تھے مگر اتنی جلدی کا سوچ کر اسے ہول سے اٹھ رہے تھے۔ اس کے دوست وغیرہ میں سے اکثر شہری ہی تھے وہ یہ بات سن کر کیا کہیں گے اس کے کلب کے ساتھی کیا سوچیں گے....؟ یہ ساری سوچیں اسے گھیرے ہوئے تھیں سب سے بڑھ کر اپنے گھریلو حالات اس کی نظر میں تھے وہ تو پہلے اچھا پکا مکان بنانا چاہتا تھا، غلام حیدر اور بہادر کو اچھی تعلیم دلوانا چاہتا تھا.... اماں ابا کو حج کروانا چاہتا تھا.... خود کرکٹ میں نام کمانا چاہتا تھا.... اس کے بعد اگر اسے شادی کے لیے کہا جاتا تو اسے یقیناً کوئی اعتراض نہ ہوتا مگر اب ان حالات میں شادی......

"خدا جانے ابا کو یہ کیا سوجھی ہے؟" وہ بڑبڑایا۔ اس معاملے میں وہ کسی سے مشورہ بھی نہیں لے سکتا تھا.... پھر اس کے ذہن میں امجد کا خیال آیا.... امجد نے اسے زندگی کے بارے میں بہت کچھ سکھایا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس کی یہ الجھن دور کرنے میں بھی ضرور مدد کرسکتا ہے پھر وہ سنجیدہ سا لڑکا تھا اس سے یہ توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اس بات کو آگے پھیلاتا یا قادر کا مذاق اڑاتا.... اس کا خیال آتے ہی قادر نے اس کے گھر کا رخ کیا۔ امجد اس وقت گھر پر تھا اور دو آوازوں میں باہر آگیا تھا۔

"کیا بات ہے، یار آج تو بجھا بجھا سا لگ رہا ہے نہ تو کرکٹ کی کوئی بات کی ہے اور نہ ہی کچھ اور بول رہا ہے...." سلام دعا کے بعد امجد کی تیز نظروں نے اس کے موڈ کو بھانپ لیا تھا۔

"بس یار میں واقعی کچھ پریشان ہوں...." قادر نے کہا۔

"کیا ہوگیا.... گھر میں تو سب خیر ہے نا۔"

"ہاں اللہ کا شکر ہے مگر میری خیریت نہیں ہے۔"

"کیوں تو نے کوئی گڑبڑ کردی ہے...." امجد نے پوچھا۔

"میں کیا کروں گا، گڑبڑ تو کررہے ہیں اماں اور ابا" قادر جل کر بولا۔
"کیا مطلب... پہیلیاں کیوں بجھوا رہا ہے، صاف بات کرنا..."
"بھئی اماں اور ابا نے میری شادی طے کردی ہے۔"
"تیری شادی..."
"ہاں وہ بھی اگلے چاند کی گیارہ کو... اب بتا کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے؟"
"ارے واہ تیری شادی ہورہی ہے" امجد قہقہہ مار کر بولا "مجھے بلائے گا...؟"
"مذاق مت کر امجد..." قادر نے اسے گھورا۔
"اس میں مذاق کیا ہے بھائی! شادی تو سب کی ہوتی ہے کسی کی پہلے کسی کی بعد میں آج تو کل ہماری باری ہے" امجد شرارت سے گنگنایا۔
"میں تجھ سے مدد مانگنے آیا تھا اور تو بھی..." قادر نے غصے میں بات ادھوری چھوڑ دی۔
"تو ناراض کیوں ہوتا ہے کیا لڑکی تجھے پسند نہیں ہے۔"
"ابے یہ معاملہ نہیں ہے... میں اتنی جلدی شادی کرنا نہیں چاہتا" قادر اپنی بات پر زور دے کر بولا۔
"تو پھر..."
"دیکھ امجد تو سنجیدہ ہوجا ورنہ میں جارہا ہوں" قادر سیمنٹ کے فٹ پاتھ سے اٹھتے ہوئے بولا۔
"ارے بیٹھ جا میری جان... ناراض کیوں ہوتا ہے... لے ہوگیا سنجیدہ... مگر تو مجھے یہ بتا کہ تو اتنا رنجیدہ کیوں ہے؟ خود تو ہی کہہ رہا ہے کہ ابا جی نے بات پکی کردی ہے پھر تجھے لڑکی پر بھی اعتراض نہیں ہے تو پھر اب تو کر بھی کیا سکتا ہے کیا تو ابا کے سامنے ان کے فیصلے کی مخالفت کرسکتا ہے؟"
"نہیں... یہ تو ناممکن ہے" قادر سرہلا کر بولا۔
"ان سے کہہ سکتا ہے کہ تو یہ شادی ابھی نہیں کرے گا؟" امجد نے پوچھا۔
"نہیں..."
"گھر سے بھاگ سکتا ہے؟"
"کیا پاگلوں والی بات کررہا ہے" قادر گویا برا مان کر بولا۔
"تو پھر شادی کرلے... تو خود سوچ کہ تیرے پاس موجودہ حالات میں اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے...؟" امجد کی بات قادر کی سمجھ میں آرہی تھی۔
"یہ سب تو میں نے بھی سوچا ہے مگر ہمارے گھریلو حالات تو تو جانتا ہے" وہ بے چارگی سے بولا۔
"تو وہ چاچا اور چاچی بھی تو جانتے ہیں۔ پھر ہونے والی بھابی بھی تو تیری رشتے دار ہے وہ بھی جانتی ہوگی... بھئی چاچی کو بھی دُسراتھ ہوجائے گی اب تو ہمت کر اور مسکرادے میں تو تیرا چہرہ دیکھ کر ڈر ہی گیا تھا کہ نہ جانے کیا ہوگیا ہے" امجد ہنس کر بولا "چل بیٹا چڑھ جا سُولی پر رام بھلی کرے گا۔"
"اچھا... پھر میں چلتا ہوں..." قادر امجد سے بات کرکے کچھ ہلکا پھلکا ہوگیا تھا۔
"جا... میں ایک دو دن میں تیری طرف آرہا ہوں... کل کلب پر مل رہا ہے نا؟"
"ہاں... ہاں بالکل..." قادر وہاں سے نکل آیا۔ اس کا پیدل گھر جانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ چند لمحے باہر سڑک پر نکل کر کچھ سوچتا رہا پھر سامنے کھڑے تانگے کی طرف بڑھ گیا۔ اس وقت لاہور میں اتنی زیادہ گاڑیاں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ عوام کا زیادہ تر کام تانگوں سے ہی چلتا تھا۔ تانگے بھی بسوں کی طرح فی سواری بھی بٹھایا کرتے اور سالم تانگا بھی لیا جاسکتا تھا۔ فی سواری کے چکر میں پھر انتظار کرنا پڑتا تھا کہ اپنے روٹ کی دوسری سواریاں بھی مل جائیں۔ قادر کا اس وقت انتظار کرنے کا موڈ نہیں تھا یوں بھی اس کی جیب میں اس وقت ایک پیسہ بھی نہیں تھا اس لیے اس نے ترکیب نمبر۲۰ آزمانے کا فیصلہ کیا یہ کام وہ اور اس کے ساتھی اکثر کیا کرتے تھے، مقصد شرارت کے سوا کوئی اور نہیں ہوتا تھا پھر تانگے کی سیر مفت میں ہوجاتی تھی۔
اس نے کونے میں کھڑے تانگے سے ۹ آنے میں معاملہ طے کیا اور تانگے کی پچھلی نشست پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ اپنی گلی سے دو گلیاں پہلے اس نے تانگا رکوا لیا۔
"سنو چاچا... داتا دربار تک چلو گے...؟" اس نے اتر کر پوچھا۔
"مگر تم نے تو یہاں کا کہا تھا...؟"
"کہا تھا مگر گھر والوں کو داتا دربار جانا ہے اگر چلتے ہو تو بلا لاؤں نہیں تو پھر دوسرا تانگا دیکھوں" قادر جیب میں ہاتھ ڈال کر بولا۔
"ارے بھائی کیوں نہیں چلیں گے اپنا تو کام ہی چلنا ہے... پر داتا کے دربار میں کون نہیں جائے گا؟ بلا لے گھر والوں کو اور کاکے ذرا جلدی کرنا... لمبا انتظار نہ کھنچوانا چاچا کو... مزوری (مزدوری) کا ٹائم ہے" تانگے والا بیڑی کا کش لے کر بولا۔ قادر تو اسی گرین سگنل کے انتظار میں تھا۔
"بس ابھی آیا چاچا منٹ بھر میں..." کہہ کر وہ لپک کر سامنے کی گلی میں گھس گیا اور پھر اندر ہی اندر سے گھر پہنچ گیا۔ میاں میر صاحب کے ان پرانے محلوں کی خاصیت یہی تھی کہ وہاں اندر ہی اندر گلیوں در گلیوں راستے موجود تھے اور یہ سہولت قادر اور اس کے دوستوں کے بہت کام آتی تھی۔
وہ گھر پہنچا تو آپا آئی ہوئی تھی۔
"بھئی یہ لاڑا کہاں بھاگا پھر رہا ہے..." وہ شرارت سے بولی۔
"ارے آپا بس کیا بتاؤں... یہ اماں ابا اتنی جلدی کررہے

ہیں۔"

"تو اچھا کر رہے ہیں نا' وہ تُو نے سنا نہیں ہے کہ مرد کی قسمت کا پیسہ بھی اپنی بیوی کی تقدیر سے ملتا ہے تو بس یہ پریشانی چھوڑ اور خوش خوش گھوڑی چڑھ جا" آپا کی بات پر قادر ہنس پڑا۔

اس رات وہ سونے لیٹا تو ایک نئی سوچ اس کے دماغ پر حاوی تھی۔ آنے والی زندگی جہاں نئے تجربات اور خوشیاں لا رہی تھی وہیں وہ قدرے گھبرایا ہوا بھی تھا۔ مینا کو اس نے بہت بچپن میں ایک دفعہ دیکھا تھا۔ اس وقت وہ گوری چٹی موٹی سی بچی تھی جو بال بکھرائے کھیل میں مصروف رہتی تھی نہ جانے اب وہ کیسی ہوگی؟ اور پھر یہ کہ وہ اسے سمجھ بھی پائے گی یا نہیں وہ اس کی ذمے داریاں اٹھا بھی سکے گی یا نہیں؟ مختلف و متضاد سوچیں کبھی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چمکا دیتیں تو کبھی وہ سوچ میں گم ہو جاتا.... آنے والے دن اسے بھکارن کی گدڑی کے مانند لگ رہے تھے جس میں جھانکنے کا تجسس بھی ہوتا ہے اور جسے کے قریب جاتے ہوئے ڈر اور گھبراہٹ بھی ہوتی ہے۔

بہرحال اب تو جو ہونا ہے ہونا ہی ہے۔ اس نے سر جھٹکا اور سونے کے لیے آنکھیں بند کرلیں۔ اگلے روز اسے کلب کے ایک اہم پریکٹس میچ پر جانا تھا اور اس کے لئے آرام ضروری تھا۔ دھرم پورہ جیم خانہ کلب جس کی طرف سے قادر کھیل رہا تھا وہ اس علاقے کا خاصا پرانا کلب تھا۔ عموماً علاقے کے وہ تمام لڑکے جو ٹھیک ٹھاک کرکٹ کھیلنے لگتے کلب میں آجاتے.... قادر کلب کی ٹیم کا باقاعدہ رکن بن چکا تھا.... اور یہ اس کے لیے ایک بڑا اعزاز تھا۔ وہ اب کلب کے میچز میں کھیلنے لگا تھا اگرچہ ابھی اس کا اتنا نام نہیں ہوا تھا مگر اس نے اپنے دل میں مستقبل کا خاکہ کھینچ لیا تھا۔ اب اس کی نظر کے سامنے ایک ہی مقصد تھا وہ صرف اور صرف کرکٹر بننا چاہتا تھا۔ کرکٹ کے شعبے میں نام کمانا چاہتا تھا خود کو آزمانا چاہتا تھا اور دنیا والوں سے خود کو منوانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے وہ سخت محنت کر رہا تھا۔ صبح ہی صبح ایک لمبی دوڑ پھر خصوصی ورزشیں پھر گراؤنڈ پریکٹس اس کی ٹریننگ کا حصہ تھیں۔ یوں تو ویسے بھی پاکستان میں کوچنگ پر توجہ نہیں دی جاتی' بڑے لڑکوں کے ساتھ کھیل کرنے اور چھوٹے لڑکے بھی کھیلنا سیکھ لیتے تھے پھر اگر ان میں کوئی خاص صلاحیت ہوتی تو وہ خود اجاگر ہو جاتی یا پھر وہ خود کوشش کرکے اسے سامنے لے آتے۔ البتہ دولت مند یا متوسط لوگوں کے علاقوں میں پھر بھی اچھے کوچ وغیرہ موجود ہوتے۔ ان کلبوں میں زیادہ سہولیات بھی مہیا کی جاتیں جب کہ چھوٹے علاقوں میں ظاہر ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے کے مصداق فنڈز سب سے بڑا مسئلہ ہوا کرتے۔ میچز کا انتظام اور کرکٹ کٹس کا بندوبست ہی دو بھر ہوتا تھا اول تو ممبران ظاہر ہے کہ اتنے غریب ہوتے کہ وہ از خود یہ سب افورڈ نہیں کرسکتے پھر علاقے کے لوگ جو کلب کے کرتا دھرتا ہوتے ان کے پاس بھی زیادہ انتظام نہیں ہوتا تھا' نہ ہی علاقے کے لوگ چندہ وغیرہ دے پاتے۔ ظاہر ہے کہ جہاں زندگی کی بنیادی ضروریات کھینچ تان کر پوری ہوتی ہوں وہاں ان چیزوں کے لیے پیسہ نکالنا ظاہر ہے کہ بہت مشکل تھا پھر بھی کلب چل رہا تھا' یہ ہی بہت بڑی بات تھی۔ ان کے لیے پیڈز' گلووز حتی کہ بال اور بیٹ تک کا انتظام مشکل ہوا کرتا.... کہتے ہیں ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انہیں اپنے وجود کو برقرار رکھنا تھا لہٰذا یہ ایک طرح کی جنگ ہی تھی اور محبت اور جنگ میں تو ہمیشہ سب کچھ جائز ہوتا ہے یا کم از کم کہلاتا تو ہے۔ سو وہ اکثر اسٹیشن وغیرہ کے پاس ہونے والے میچز دیکھنے جایا کرتے.... یہ دورے وہ بھرپور تیاری سے کیا کرتے۔ میچ کے بعد اور درمیان میں باقاعدہ بلے' گیندیں' گلووز اور پیڈز وغیرہ چوری کرلیا کرتے.... ہاتھ کے ہاتھ سارا سامان باہر پہنچا دیا جاتا اور یوں کام چلتا۔

جس دن قادر کا میٹرک کا رزلٹ نکلا اسی روز اس نے لاہور کے ایک بڑے کلب سے میچ میں سات وکٹیں لے لی تھیں اور ۴۹ ناٹ آؤٹ رہا تھا۔ وہ میچ کے بعد گھر واپس آیا ہی تھا کہ گلی کے نکڑ پر سرور نے اسے پکڑ لیا۔

"چل بھئی مٹھائی کھلا...." قادر سمجھا کہ اسے اس کی شادی کے بارے میں معلوم ہوگیا ہے۔

"جب مٹھائی آئے تو کھالینا ابھی سے کیا ہے؟"

"ارے تو بھائی مٹھائی لائے گا کون؟"

"اماں ابا منگوائیں گے...." قادر نے جواب دیا۔

"یار تجھے تو آج مٹھائی لے کر آنا چاہیے تھا...."

"آج.... کیوں آج خاص بات ہے کیا...."

"لے تو کیا تجھے معلوم نہیں ہے! ارے قادرے تیرا رزلٹ نکل آیا ہے تو پاس ہوگیا ہے' میٹرک میں سیکنڈ ڈویژن...." سرور نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا.... واقعی! گھر پر بتایا تُو نے...." قادر خوش ہو کر بولا۔

"نہیں تُو خود دیتا.... یہ لے ضمیمہ.... ابھی شام کو شائع ہوا ہے۔"

"اماں.... ابا.... میرا نتیجہ نکل آیا ہے' میں پاس ہوگیا ہوں" وہ چیختا چلّاتا گھر میں داخل ہوا تھا۔

"ارے ماں صدقے.... کیا واقعی.... دکھا تو...." اماں مارے جذبات کے اخبار کو الٹا ہی کھول کر دیکھنے لگیں۔

"ارے اماں یوں نہیں' یوں" اس نے اخبار سیدھا کرکے انہیں پکڑایا اور پھر اپنا رول نمبر ڈھونڈ کر اس پر انگلی رکھ دی "سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوا ہوں۔"

"اب تجھے کالج میں داخلہ مل جائے گا نا...." اماں نے پوچھا

"ہمارے خاندان میں کوئی کالج میں نہیں پڑھا ہے اب سب سے پہلے تو پڑھے گا' میرا شیر پُتّر" وہ اس کی بلائیں لے کر بولیں۔

"ہاں اماں..... میں نے سوچا ہوا ہے میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لوں گا، کالج کی کرکٹ ٹیم بھی بہت نامور ہے" قادر سوچتا ہوا بولا۔

"ہاں جو بہتر سمجھو کرو..... اللہ بہتر کرنے والا ہے....."

گورنمنٹ کالج لاہور میں اس کے داخلے سے کچھ پہلے ہی مینا گھر آگئی تھی۔ قادر اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ اس کے تصور میں موجود وہ روتی دھوتی ناک بہاتی بکھرے بالوں والی لڑکی اتنی خوبصورت ہو گئی ہو گی یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ رنگت تو خیر اس کی ہمیشہ سے گوری تھی مگر اس گورے رنگ میں صباحت کی چمک مل گئی تھی۔ بال سنہرے مائل کالے تھے۔ اسے اماں ابا کی پسند پسند آگئی تھی۔ کہاں تو وہ شادی پر راضی ہی نہیں تھا اور کہاں مینا سے ملنے کے بعد اس کے لیے گھر سے نکلنا دوبھر ہو گیا تھا مگر زندگی اپنی الجھنوں کی گرہوں کو تیز اور سخت کرنے کا ہنر بہرحال جانتی تھی۔ قادر کا کالج میں داخلہ بھی ہو گیا اور اس کا کھیل بھی روز بروز نکھرتا جا رہا تھا مگر ان دونوں باتوں سے ہٹ کر اس کے مسائل بھی بڑھتے جا رہے تھے۔ ابا کی قلیل سی تنخواہ بڑھتی ہوئی مہنگائی اور اخراجات کا ساتھ دینے کے لیے قطعی ناکافی تھی اور اب تک قادر کو کوئی ایسا کام نہیں ملا تھا جس سے مستقل آمدنی کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی۔ ڈیلی ویجز پر یا اِدھر اُدھر کوئی کام کر کے اسے پیسہ بھی بہت کم ملتا اور کام اور وقت بھی زیادہ ضائع ہوتا جس کی وجہ سے اس کی پریکٹس متاثر ہوتی۔ مگر اس کے باوجود ان دنوں اس کی پرفارمنس بہت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ مسلسل میچ کھیل رہا تھا۔ انہی دنوں واپڈا گراؤنڈ میں ہونے والے ایک میچ میں اس نے ۶۳ رنز دے کر نو کھلاڑی آؤٹ کر دیے یہ اس کے لیے ایک معمول تھا مگر اسے خود نہیں معلوم تھا کہ آج کی کارکردگی اس کے لیے کیا لانے والی ہے۔ وہ تو میچ کھیل کر سونے کے لیے لیٹ گیا تھا اسے صبح جلدی اٹھنے کی عادت تھی اور پھر ان دنوں نہ تو ٹی وی گھر گھر موجود تھے اور نہ ہی راتوں نے دنوں کی شکل اختیار کی تھی اس لیے لوگ عشا کے بعد عموماً نیند کی بانہوں میں چلے جاتے تھے۔

"کون ہے؟" دس بجے کسی کا آنا قادر کے گھر والوں کے لیے بہرحال اچنبھا تھا اس لیے دستک کی آواز پر پورا گھر اٹھ بیٹھا۔

"مجھے قادر صاحب سے ملنا ہے" باہر سے ایک مہذب سی آواز سنائی دی۔

"میں آرہا ہوں" قادر جلدی جلدی قمیص پہن کر باہر نکل آیا..... "جی" وہ ایک اجنبی چہرے کو دیکھ کر کچھ حیران ضرور تھا۔

"مجھے لطیف کہتے ہیں معاف کیجیے گا میں نے آپ کو رات کے وقت زحمت دی۔"

"نہیں کوئی بات نہیں....." قادر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

میں واپڈا میں کام کرتا ہوں اور نوکری نوکری ہوتی ہے چیئرمین صاحب نے مجھے براہِ راست حکم دیا تھا کہ میں آپ کو صبح دفتر بلوالوں....." لطیف صاحب رسان سے بولے "اسی لیے مجھے اتنی رات کو آنا پڑا پہلے کچھ وقت آپ کے گھر کی تلاش میں لگ گیا....."

"نہیں یہ تو کوئی بات نہیں مگر مجھے..... مجھے کیوں بلایا ہے انہوں نے....."

"یہ تو آپ کو کل معلوم ہو جائے گا مگر آپ وقت پر واپڈا کے اسپورٹس ڈویژن میں پہنچ جایئے گا۔ آپ کو گیارہ بجے تک وہاں آجانا ہے" لطیف صاحب اسے تاکید کر کے رخصت ہو گئے۔

وہ رات قادر نے بہت الجھن میں گزاری تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ واپڈا والوں نے اسے اس انداز میں کیوں طلب کیا ہے..... کبھی اس کا دل کہتا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اسے کوئی کام، کوئی میچ دینا چاہتے ہوں مگر پھر دماغ اس بات کو مسترد کر دیتا گڑبڑ ہو گئی ہے۔ بہرحال وہ تن بہ تقدیر ہو کر اگلے روز ساڑھے دس بجے ہی واپڈا ہاؤس پہنچ گیا تھا۔ اسپورٹس ڈویژن میں اسپورٹس آفیسر اکرم نے اس کا استقبال کیا۔

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ صاحب نے مجھے کیوں بلایا ہے؟" سلام دعا کے بعد گھبرائے ہوئے قادر نے اس سے سوال کیا.....

"معلوم تو نہیں اندازہ ضرور ہے..... مجھے یقین ہے کہ آپ کو کوئی اچھی خبر ملنے والی ہے اور وہ اچھی خبر میں آپ کے منہ سے سننا پسند کروں گا" اکرم خوش دلی سے بولا۔ کچھ دیر بعد قادر کو اندر بلوا لیا گیا۔ کمرے میں منیجر اسپورٹس اور دیگر لوگ بھی تشریف فرما تھے۔

رمیز، رچرڈز

ورلڈ کپ مقابلوں میں سب سے زیادہ سنچریاں بنانے کا اعزاز ویسٹ انڈیز کے ویوین رچرڈز اور پاکستان کے رمیز راجہ کو مشترکہ طور پر حاصل ہے۔ دونوں کے نام کے آگے تین تین سنچریاں درج ہیں۔ رمیز راجہ اس لحاظ سے بدقسمت رہے کہ تینوں مرتبہ جب بھی انہوں نے سنچری بنائی، مین آف دی میچ کا ایوارڈ کسی اور کھلاڑی کو دیا گیا۔

حیرت انگیز اتفاق

ورلڈ کپ ٹورنامنٹس میں اب تک مجموعی طور پر ۳۵ سنچریاں بنائی گئی ہیں۔ ان میں سے جمعہ کے روز صرف تین سنچریاں بنی ہیں اور حیرت انگیز اتفاق یہ ہے کہ ہر مرتبہ بیٹسمین ۱۰۰ کے اسکور پر آؤٹ ہو گیا۔

مبشر علی زیدی، کراچی

"آیئے قادر صاحب...." منیجر نے اسے آتا دیکھ کر کہا جب وہ بھی بیٹھ گیا تو گفتگو پھر شروع ہوگئی مگر اس بار گفتگو کا موضوع قادر کا کھیل اور اس کی کارکردگی تھی۔

"بھئی تم اچھا کھیل رہے ہو تمہارے کئی کلب میچز کی میں نے تعریف سنی ہے۔ سنا ہے بہت اچھی بالنگ کرتے ہو تم...." چیئرمین صاحب نے براہِ راست اس سے کہا۔

"یس سر.... کر ہی لیتا ہوں اللہ کے فضل سے" قادر انکسار سے بولا۔

"کل تمہارا میچ میرے ایک اسسٹنٹ نے دیکھا۔ بھئی بہت اچھا کھیلے تم۔ میں نے تمہیں یہاں اس لیے بلوایا ہے کہ ہم واپڈا کو ہر کام میں آگے دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم جانتے ہوگے کہ واپڈا کی ایک کرکٹ ٹیم ہے، ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمارے لیے بھی کھیلو.... اس کے لیے ہم تمہیں واپڈا میں ملازمت دے رہے ہیں.... بولو کرسکو گے....؟ قادر کا دل ان کے ایک ایک لفظ پر بلیوں اچھل رہا تھا۔ خواہش یوں بھی پوری ہوتی ہے، یہ اس کے گمان میں نہیں تھا۔

"جی سر...." اس نے فوراً ہامی بھر دی۔

"گڈ بوائے تو پھر تم ارشاد صاحب کے ساتھ جاؤ.... یہ باقی کام کرلیں گے" انہوں نے منیجر اسپورٹس ڈویژن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس روز قادر وہاں سے نکلا تو وہ واپڈا کا ملازم ہوچکا تھا۔ یہ تو خود وہی جانتا تھا کہ اسے نوکری کی کتنی شدید خواہش تھی اور یہ اس کی کتنی بڑی ضرورت تھی مگر اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یوں گھر بیٹھے اس کا ایک اتنا بڑا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

" اماں.... مینا.... مجھے نوکری مل گئی ہے" وہ گھر میں داخل ہوا تو خوشی کے مارے اس سے بات بھی ٹھیک سے نہیں ہورہی تھی۔ وہ اماں سے لپٹ کر بولا۔

"نوکری.... تو کیا اس لیے بلوایا تھا انہوں نے...." اماں اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر بولیں۔

"ہاں اماں! خود چیئرمین نے بات کی مجھ سے .... میرے کھیل کی تعریف کی اور کہا کہ آپ واپڈا کی طرف سے کھیلیں...." قادر کہے جارہا تھا، مینا اسے خوش دیکھ کر مسکرا رہی تھی "اور پتا ہے آپ لوگوں کو.... مجھے یک مشت دو سو تیس روپے تنخواہ بھی ملا کرے گی...."

"اور کالج....؟" مینا نے پہلی بار گفتگو میں دخل دیا۔

"وہ بھی چلتا رہے گا.... میں کہتا تھا نا کہ ایک بار میرا کھیل جم گیا تو سب دلدر دور ہوجائیں گے.... ابا کہاں ہیں اماں...."

"ارے باؤلا ہوگیا ہے وہ تو مسجد گئے ہیں" اماں اس کی حرکتوں پر ہنستے ہوئے بولیں "بھول گیا کہ ظہر کا وقت ہوچلا ہے۔ جا اب تو بھی سب سے پہلے شکرانے کی نماز پڑھ، عزت اور ذلت دینے والا وہی ہے.... جا شاباش...."

"ہاں ہاں اماں ابھی جارہا ہوں مسجد.... ابا کو بھی تو خوش خبری سنانا ہے" قادر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

واپڈا جوائن کرنے کے بعد قادر کی زندگی میں تھوڑی سی تبدیلی آگئی.... اب وہ اچھے میچ کھیلنے لگا تھا اس کی پرفارمنس میں روز بروز نکھار آتا جارہا تھا اس کی ساری توجہ کرکٹ پر مرکوز ہوگئی تھی۔ یوں بھی اس نے کرکٹ کے جس شعبے کا انتخاب کیا تھا وہ کچھ کم مشکل نہیں تھا۔ اسپن بالنگ کے لیے وہ زمانہ خاصا سخت تھا۔ تیز رفتار بالنگ کے عروج کا دور شروع ہوچکا تھا۔ سلو بولنگ یوں بھی خالصتاً فنکاری کا کام ہے۔ کیونکہ تیز بولر گیند کی رفتار سے اور دیگر حربے استعمال کرکے بھی وکٹ حاصل کرلیتا ہے لیکن ایک سلو بالر یا اسپنر صرف اپنی جادوگری کے ذریعے ہی وکٹ حاصل کرپاتا ہے۔

قادر ان دنوں بیک وقت تین مختلف ٹیموں کی طرف سے میچ کھیل رہا تھا۔ واپڈا کی ٹیم میں وہ شامل تھا، کالج کی ٹیم میں بھی وہ بہت فعال تھا جب کہ کلب میں اس کا اس وقت تک بہت نام ہوچکا تھا۔ وہ قادر جو کرکٹ کے بارے میں دس سال کی عمر تک کچھ بھی نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ اس نے کبھی کرکٹ میچ تک نہیں دیکھا تھا، سترہ سال کی عمر میں کرکٹ میں اتنا آگے جاچکا تھا کہ کلب میں آنے والے لڑکے اسے دیکھ دیکھ کر کرکٹ کھیلا کرتے اس زمانے میں وہ صرف بالر کی حیثیت سے ہی مقبول نہیں تھا بلکہ وہ ایک اچھا آل راؤنڈر مانا جانے لگا تھا۔ پہلی بال پر آؤٹ ہونے والا عبدالقادر اب ۴۰ یا پچاس سے کم رنز نہیں بنا رہا تھا۔

کرکٹ کے محاذ پر اس کی فتوحات اور کامیابیاں بڑھ رہی تھیں مگر گھر کے منظر نامے پر ابھی پریشانیوں کا راج تھا۔ فرسٹ کلاس کرکٹ قادر کی اگلی منزل تھی اور اس کی نظر اسی مستقبل پر تھی بھی مگر فی الحال اس کے پاس اس چوٹی کو سر کرنے کے لیے کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ محنت کے تیشے سے مواقع کے پہاڑ کو سر کرنے کی کوششوں میں بہرحال مصروف تھا۔ اگر اس راستے میں کوئی چیز اسے ڈسٹرب کررہی تھی تو وہ اس کے گھر کی مالی پریشانیاں تھیں جو اسے ملازمت مل جانے سے قدرے کم ضرور ہوگئی تھیں مگر بہرحال وہ موجود ضرور تھیں۔

وہ واپڈا کی جانب سے ایک اہم ٹورنامنٹ کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ عین انہی دنوں اس کی اماں شدید بیمار پڑ گئیں....

"اماں کا بخار ہی نہیں ٹوٹتا.... حکیم صاحب اور اب نکڑ والے ڈاکٹر صاحب سب کی دوا کرلی ہے، ابا دن میں تین بار دم بھی کرتے ہیں مگر اس کے باوجود طبیعت نہیں سنبھل رہی۔ کچھ کرنا ہی ہوگا...." مینا نے اسے پریشان دیکھتے ہوئے تفصیل بتائی۔

"ہاں اماں کو اچھے ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہوگا.... کسی بڑے ڈاکٹر کے پاس...." قادر کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"مگر...." مینا تو صرف اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی تھی مگر قادر

جانتا تھا کہ اس کے ذہن میں کون سا سوال گردش کر رہا ہے۔ بڑا ڈاکٹر یقیناً فیس بھی بڑی لے گا اور پھر دوائیاں لکھ کر دے دے گا جو بازار سے منگوانی ہوں گی اور اس سارے کام کے لیے کم از کم سو ڈیڑھ سو روپے کی ضرورت تو تھی ہی۔

"گھر میں کچھ پیسے ہیں؟" قادر نے اس سے پوچھا۔

"گھر میں!" مینا کچھ حیران ہو کر بولی "خرچ کے پیسے تو دو تین روز ہوئے ختم ہو گئے۔ ابا نے کل پندرہ روپے دیے تھے تو گندم پسوالی... پیاز اور دال منگوالی دو روپے کی۔ باقی بیسیوں کی.... اماں کی دوائی آ گئی اب تو میرے پاس شاید ایک روپیہ پڑا ہو...."

"اوہ...." قادر یہ سب جانتا تھا مگر نہ جانے کیوں پریشانی یہ سوال اس کے ہونٹوں پر لے آئی تھی۔

"اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ضروری ہے...." قادر بڑبڑایا پھر کچھ دیر سوچ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا "میں ابھی آتا ہوں۔"

"اس وقت کہاں جا رہے ہیں آپ اور روٹی تو کھا لیں...." مینا اسے روکتے ہوئے بولی۔

"تھوڑی دیر میں آتا ہوں.... ایک دو دوستوں سے ملنا ہے" قادر یہ کہتا ہوا تیزی سے باہر نکل گیا۔

○☆○

"یار مجھے کچھ روپے چاہئیں ہیں" وہ سیدھا اپنے دوست احسن کے پاس پہنچا "تنخواہ پر دے دوں گا۔"

"کتنے....؟"

"یہی کوئی سو ڈیڑھ سو روپے۔"

"اتنے روپے کیا کرو گے' خیر تو ہے؟"

"بس یار ضرورت ہے...."

"مگر تو تو جانتا ہے کہ میری تنخواہ ۱۷۵ روپے ہے پہلی کو تنخواہ گھر دیتا ہوں اور روز دو روپے اماں سے لیتا رہتا ہوں اب ایک دم اتنی رقم تو شاید اماں کے پاس بھی نہ ہو مگر تو بتا کہ ہوا کیا ہے....؟" احسن اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"کئی دنوں سے اماں کی طبیعت خراب ہے' تیز بخار ہے جو ٹوٹتا ہی نہیں...." قادر بمشکل بولا "اسے بڑے ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے اس لیے...."

"اوہ اماں بیمار ہے.... اچھا تو ٹھہر میں گھر سے پوچھ کر آتا ہوں" احسن یہ کہہ کر لپک کر گھر میں داخل ہو گیا۔ چند منٹوں بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں چند نوٹ دبے ہوئے تھے۔ "یار معاف کرنا۔ صرف ۴۵ روپے ہو سکے ہیں...." وہ ایک ایک کے نوٹ قادر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا "مگر تو دل چھوٹا نہ کر' ہو جائے گا بندوبست.... چل ہم مسرور کی طرف چلتے ہیں' کچھ بندوبست وہ ضرور کر دے گا۔"

"مگر یار...." قادر ہچکچایا۔

"اگر مگر کی ٹانگ کیوں پکڑ رہا ہے' پریشانی میں دوست کام نہیں آئیں گے تو کیا دشمن مدد کے لیے پہنچیں گے۔ میرے پاس تو اتنے تھے نہیں ورنہ کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور پھر کیا تیری اماں ہم سب کی اماں نہیں ہیں" احسن تیز تیز لہجے میں بولا۔

مسرور کے گھر پہنچ کر احسن نے قادر کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

"ارے تیری ماں کی طبیعت کب سے خراب ہے اور تو اب ہمیں بتا رہا ہے" مسرور ناراض ہو کر بولا۔ اس کے پاس سے ۳۵ روپے مل سکے تھے مگر ان دونوں نے گھنٹا بھر میں قادر کو ایک سو پینتیس روپے جمع کر دیے تھے۔

"جا اب تو گھر چلا جا.... صبح اماں کو کسی اچھے اسپیشلسٹ کو دکھانا۔ میں شام کو دفتر سے آتے ہوئے تیرے گھر سے ہوتا جاؤں گا" احسن نے اسے اس کی گلی تک چھوڑ دیا تھا۔

قادر گھر واپس آیا تو اس کی جیب کے ساتھ ساتھ اس کا دل بھی بھرا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی اور تشکر کے آنسو چمک رہے تھے۔ اس کے دوست غریب ضرور تھے مگر بہرحال مخلص تھے اور خلوص کی کوئی قیمت ہوتی ہے اور نہ ہی اسے تولا جا سکتا ہے۔

یوں مجموعی طور پر وہ زمانہ ہی ایسا تھا۔ نہ تو اس وقت تک کمرشل ازم نے معاشرے کا گھیراؤ کیا تھا اور نہ ہی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ نے لوگوں کو اندھا بہرا بنایا تھا انہیں ایک دوسرے کی خوشیاں اور غم نظر بھی آتے تھے اور وہ کھلے دل سے اپنی استطاعت سے بڑھ کر ان میں حصہ بھی لیا کرتے شاید یہی وجہ تھی کہ ہر شخص اس طرح تنہا نہیں تھا جیسا کہ آج ہے۔

ڈاکٹر نے اماں کے بخار کو ٹائی فائیڈ تشخیص کیا تھا۔ اس بخار نے ان کی ساری توانائیاں نچوڑ کر رکھ دی تھیں اور اب انہیں بڑی احتیاط اور پرہیز کی ضرورت تھی۔ ڈاکٹر تو انہیں اسپتال میں داخل کرنا چاہ رہے تھے مگر نہ تو اماں اس کے لیے تیار ہوئی تھیں اور نہ ہی قادر کے گھر والے اس بات کو مان رہے تھے یوں وہ دوائیں وغیرہ لے کر واپس آ گئے۔

"شکر ہے خدا کا کہ اماں کی بیماری کا پتا تو چلا...." اس رات مینا نے قادر سے ڈرتے ڈرتے کہا "ایک بات میں آپ سے کہنا چاہتی ہوں مگر آپ وعدہ کریں کہ ناراض نہیں ہوں گے۔"

"اگر ناراض ہونے کی بات ہوئی تو پھر...." قادر اسے گھور کر بولا۔

"ناراض ہونے کی بات تو نہیں ہے۔"

"اچھا تو پھر میں بیوقوف ہوں جو خواہ مخواہ ناراض ہوں گا" قادر چڑ کر بولا وہ یوں بھی قدرے غصہ ور ہی تھا۔ اب اماں یا ابا کے سامنے تو ظاہر ہے کہ اس کا غصہ دم توڑ ہی جاتا تھا مگر مینا اور چھوٹوں پر بہرحال وہ غصہ کرتے ہوئے ہچکچاتا نہیں تھا۔ شاید یہ حالات کے دباؤ کا اثر بھی تھا جو اسے چڑچڑا بنا رہا تھا۔ مینا کی سب

سے اچھی عادت یہ بھی تھی کہ وہ اس کے غصے کا جواب غصے سے نہیں دیتی تھی۔ جب وہ بول رہا ہوتا تو وہ خاموشی اختیار کر لیتی جس سے بات بالآخر ختم ہو جاتی "اب بولو بھی...."

"دوائیں تو آگئی ہیں مگر علاج ابھی دو ہفتے اور چلے گا.... دواؤں کی ضرورت بھی پڑے گی اور پھر پرہیز پھل وغیرہ بھی درکار ہوں گے.... اس لیے میں چاہ رہی تھی کہ آپ .... انہیں بیچ دیں...." وہ اپنی مٹھی قادر کے سامنے کھولتے ہوئے بولی۔ اس کے ہاتھ میں سونے کے جھمکے تھے۔

"کیا....؟ نہیں نہیں مینا.... میں بندوبست کر لوں گا" قادر گھبرا کر پیچھے ہٹا۔

"یعنی اور قرض کا بوجھ چڑھا لیں گے.... یہ قرض ادا بھی تو کرنا ہوگا نا تو پھر کیوں نہ اپنی چیز بیچ دی جائے کم از کم دینے کی فکر تو نہیں ہوگی پھر جب رقم ہوگی تو میں اور بنالوں گی...." وہ رسان سے بولی۔

"مگر...."

"آپ انہیں بیچ دیں اور زیادہ سوچیں مت...." مینا وہ جھمکے زبردستی اس کی جیب میں ڈالتے ہوئے بولی۔ اس کی بات تھی تو حقیقت بھی.... خود قادر یہ سوچ سوچ کر پریشان تھا کہ اب پیسے کا بندوبست کہاں سے ہوگا۔ تنخواہ میں سے وہ آدھا قرض بھی اتارتا تو بھی اگلا ماہ بہت تنگی میں جانے والا تھا.... پھر اماں کو اس وقت واقعی اچھی غذا اور پھلوں کی ضرورت بھی تھی اس لیے اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی مینا کی بات مان ہی لی۔

○☆○

واپڈا کے منعقدہ ٹورنامنٹ میں قادر نے سب ہی میچز میں زبردست کارکردگی دکھائی شاید یہ اس کے اندر ہونے والے کسی تکنیکی عمل کا نتیجہ تھی جتنا وہ پریشان ہوتا، دباؤ میں ہوتا اس کی گیند اور ہٹ اتنی ہی زیادہ طاقتور ہو جاتی۔ یوں لگتا جیسے وہ اپنی ساری پریشانیوں کی طاقت اپنی تھرو میں منتقل کر دیتا ہو۔ اسی ٹورنامنٹ میں اس نے گیند کو دونوں طرف سے گھما کر پھینکنے کا تجربہ بھی کیا جو کہ بہت کامیاب رہا۔

ٹورنامنٹ ختم ہوتے ہی وہ کالج ٹیم کے کُل لاہور میچز میں مصروف ہوگیا۔ ایسے ہی ایک میچ کی پریکٹس کے دوران اسے ایک ایسا پیغام ملا جس نے اس کی زندگی کا رخ ہی بدل ڈالا۔

"قادر.... یار.... وہ محمد علی صاحب تجھے ڈھونڈ رہے ہیں۔" اس کے ساتھی جمشید نے اسے پیشگی اطلاع دی۔ محمد علی صاحب ان کی کالج ٹیم کے کوچ و منیجر بھی تھے اور کرتا دھرتا بھی.... کرکٹ سے انہیں بہت دلچسپی تھی۔

"قادر کم ہیئر بوائے" انہوں نے اس کے قریب آتے ہوئے عادتاً زور سے کہا۔

"جی سر...."

"کیا ہو رہا ہے....؟"

"سر پریکٹس کر رہا ہوں" قادر نے جواب دیا۔

"گڈ.... جانتے ہو میں تمہارے لیے کیا خبر لایا ہوں" وہ اسے ایک طرف لے جاتے ہوئے بولے۔

"کیا سر....؟" قادر ان کی بے تکلفی پر کچھ حیران تھا کیونکہ وہ خاصے سخت مزاج مشہور تھے۔

"ارے گھامڑ تمہیں حبیب بینک میں بلایا گیا ہے، مجھے انہوں نے خود فون کر کے کہا ہے کہ کل میں تمہیں وہاں بھیج دوں.... صبح نو بجے تمہیں متین صاحب سے ملنا ہے بینک ہیڈ آفس میں، صبح نو بجے.... وقت پر پہنچ جانا...."

"اوہ واقعی سر" قادر واقعی اچھل پڑا "میں وقت سے پہلے پہنچ جاؤں گا...."

"اور ہاں ابھی اس بات کا چرچا مت کرتے پھرنا.... کچھ طے ہو جائے تب ہی کسی کو بتانا سمجھے۔" وہ اسے کچھ نصیحتیں کر کے قادر دوسرے روز حبیب بینک پہنچا.... اسپورٹس ڈویژن اس کے بارے میں فیصلہ کر چکا تھا اس لیے صرف ایک رسمی سا انٹرویو ہوا اور قادر حبیب بینک کی ملازمت کے حفاظتی حصار میں داخل ہوگیا۔

غمِ معاش یا مالی مسائل ظاہر ہے کہ ہر شعبۂ زندگی سے وابستہ افراد کا بنیادی مسئلہ ہوتا ہے کھلاڑی کے ساتھ یہ مسئلہ بھی ہوتا ہے کہ اسے اپنی فٹنس بحال رکھنے اور کارکردگی بڑھانے کے لیے گراؤنڈ میں رہنا ہوتا ہے اور وہ اس کام کے ساتھ ساتھ کوئی باقاعدہ ملازمت نہیں کر سکتے نہ ہی وہ کوئی ایسا کام کر سکتے ہیں جو انہیں نو سے پانچ کے دفتری معمول کا پابند بنا چھوڑے ایسی صورت میں ان کا معاشی مسئلہ حل کرنے کے لئے قومی اداروں کی ٹیمیں بنانا اور پھر انہیں وہاں کام ملنا ہی مسئلے کا بہترین حل ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غیر تحریری طور پر یہ بات ہمیشہ تسلیم کی جاتی رہی ہے کہ ہاکی بورڈ کا سربراہ قومی ایئر لائن کا چیف ایگزیکٹو ہوگا اسی طرح کرکٹ وغیرہ میں بھی اہم اداروں کے سربراہان کو اسی لیے شامل کیا جاتا رہا ہے تاکہ کھلاڑیوں کو بہتر روزگار مل سکے۔ اس زمانے میں کرکٹ یا دوسرے کھیل آج کی طرح کمرشلائز نہیں ہوئے تھے نہ ہی کھلاڑیوں کو اتنے پیسے، مراعات اور رقوم ملتی تھیں اس لیے اس دور میں کھلاڑیوں کی سرپرستی بہت ضروری تھی۔ کسی بھی شعبے میں بہترین کارکردگی دکھانے کے لیے یقیناً یہ ضروری ہے کہ متعلقہ شخص مکمل طور پر نہ سہی (کہ یہ آج کے دور میں ممکن ہی نہیں ہے) مگر بنیادی مسائل سے بہرحال کسی حد تک آزاد ضرور ہو۔ قادر نے بھی اپنے ایک بعد کے انٹرویو میں اس دور کے متعلق کہا تھا "حبیب بینک کی ملازمت مل جانا جہاں کیریئر کے طور پر میرے لیے ایک بڑا سنگِ میل تھا وہیں گھریلو مسائل سے میں بہت حد تک آزاد ہوگیا۔ میرے کاندھوں پر گھر کی مکمل ذمہ داری تھی اور ظاہر ہے کہ یہ میری پہلی ترجیح بھی تھی۔

"بس ابا! اب آپ ملازمت چھوڑ دیں...." قادر بینک کی ملازمت کے بعد بہت پُرامید ہوگیا۔

"ارے بیٹا یہ میرے لیے ملازمت تھوڑی ہے یہ تو میری زندگی ہے' عبادت ہے...." ابا نے جواب دیا۔

"بھیا اب ہم بڑے گھر میں رہیں گے نا...." قادر کے چھوٹے بھائی بہادر نے پوچھا۔

"ہاں.... کیوں نہیں.... انشاء اللہ کرم رہا مولا کا اور اماں ابا کی دعائیں ملیں تو ایسا ہوگا۔"

"مگر بیٹا میری ایک بات یاد رکھنا.... ہم کچھ بھی بن جائیں مگر اپنا علاقہ مت چھوڑنا.... اس دھرم پورے نے برے وقت میں ہمیں سمیٹا ہے.... یہاں کے لوگ ہمارے ساتھی ہیں۔ ہمدرد ہیں.... ہم اپنا محلّہ نہیں چھوڑیں گے...." اماں نے سب کی باتیں سنتے ہوئے کہا "کم از کم میں تو یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"ارے اماں آپ نہیں جائیں گی تو پھر اور کون جاسکتا ہے.... ہم سب یہیں رہیں گے" قادر ان سے لپٹ کر بولا۔

قادر حبیب بینک کی طرف سے ہی اپنا پہلا فرسٹ کلاس میچ کھیلا تھا۔ یہ میچ اس کے لیے بہت اہم تھا مگر عجیب بات یہ تھی کہ اسے بالکل بھی گھبراہٹ نہیں تھی۔ حالانکہ یہ اس کے کیریئر کا پہلا میچ تھا جس سے پہلے اسے چوٹ بھی لگ گئی تھی۔

بسنت لاہور میں ہمیشہ سے ہی دل پسند تہوار رہی ہے۔ زندہ ولانِ لاہور اس تہوار کو جی جان سے منایا کرتے.... بسنت کے پورے مہینے میں آسمان پر رنگا رنگ پتنگیں نظر آتی تھیں مگر خاص بسنت کے دن تو آسمان پتنگوں سے ڈھک جاتا تھا۔ جوش' جذبے' ولولے اور جذبات کا یہ عالم ہوتا کہ کوٹھوں پر چڑھے لڑکوں کو چھت کی حد بندی بھول جاتی.... "بو کاٹا" کے نعروں میں الجھے وجود کٹی پتنگوں کو لوٹنے کے چکر میں ایسے مست ہوتے کہ ہوش گنوا بیٹھتے اس دور میں اگرچہ اب کی طرح بہت مہنگی گڈیاں (پتنگیں) ہوتی تھیں اور نہ ہی لوگ خوشی کا اظہار گولیوں کی گونج سے کرنے کے عادی ہوئے تھے مگر پیلے اور دھانی ملبوسات اور بسنت کی رونق بہر حال بہت ہوا کرتی۔ قادر بھی بسنت کے دن چھت پر پتنگ اڑانے میں مصروف تھا اور اسی چکر میں اس کے دائیں کندھے میں چوٹ لگ گئی تھی۔ اسے میچ کے سلسلے میں صرف یہی فکر تھی کہ اس کا کندھا درد کررہا تھا ورنہ اس کا دل اعتماد سے بھرا ہوا تھا اسے یقین تھا کہ وہ اچھی کارکردگی ضرور دکھائے گا اور پھر ایسا ہی ہوا بھی۔

اپنے پہلے فرسٹ کلاس میچ میں قادر نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا' نہ صرف اس نے کھلاڑی آؤٹ کیے بلکہ رنز بھی بنائے.... اس روز میچ کے اختتام پر وہ بہت خوش تھا اسے امید ہوچلی تھی کہ اس نے فرسٹ کلاس کرکٹ میں ایک اچھی دستک دے دی ہے۔

"اوے بادشاہ.... شاباش ہو بھئی' یاروں کا دل خوش کردیا اے...." وہ اسٹیڈیم سے نکل رہا تھا۔ جب ایک گونجیلی آواز نے اسے چونکا دیا پھر دو صحت مند بازوؤں نے اسے خود سے لپٹا لیا۔

"اے تو.... کہاں تھا اتنے دنوں سے.... شکل نہیں دکھائی اپنی.... اچھا یار ہے بھئی" قادر بھی اسے دیکھ کر خوش ہوگیا۔

"بس یار.... ابھی تو ہم دھکے کھا رہے ہیں' پر دیکھنا ایک دن تجھ کو کچھ بن کر دکھانا ہے اور تو بھی تب تک اچھا کرکٹر شرکٹر بن جا یار.... تو تو خیر اب آگے بڑھ رہا ہے.... اب دعا کر کہ مجھے بھی ایک اچھا چانس مل جائے...."

"کچھ بات بنی ہے یا ابھی صرف چکر کاٹ رہا ہے تو...."

"کوئی خاص نہیں.... دو چار فلموں میں بہت چھوٹے چھوٹے کردار ملے ہیں مگر وہ کام نہیں ملا جہاں میں کچھ کرکے دکھا سکوں.... مگر خیر' اللہ پر بھروسا ہے۔ ایمان داری سے کام کرتا ہوں کسی سے زیادتی نہیں کرتا اور اللہ سے مانگتا ہوں وہ کب تک نہیں دے گا اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے" یہ قادر کا پرانا دوست سلطان تھا جو بعد میں سلطان راہی بن کر درحقیقت فلموں کا سلطان بن گیا مگر وہ دور اس کا بھی جدوجہد کا دور تھا۔ وہ تو خیر ۱۹۶۰ء سے عکس آہنگ کی دنیا میں قدم جمانے کی کوششوں میں مصروف تھا مگر چانس نام کی دیوی اس سے روٹھی ہوئی تھی۔ سلطان راہی فن کی دنیا میں لاہور کے برٹ انسٹی ٹیوٹ کے ذریعے آیا تھا۔ اسی برٹ انسٹی ٹیوٹ کو عام زبان میں ریلوے ناچ گھر بھی کہا جاتا تھا۔ اور یہ اسٹیج ڈرامے پیش کیا کرتا.... سلطان راہی نے اس کے اسٹیج ڈرامے "نادر شاہ درانی" میں ایک چھوٹے سے کردار سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا۔

"تو آج کل کیا کررہا ہے؟"

"بس جو ملے کرلیتا ہوں.... ایکسٹرا کے کردار بھی کیے ہیں اور اب فائٹر کے طور پر کام کررہا ہوں مگر قادر تو دیکھنا ایک دن میں ضرور کچھ کر دکھاؤں گا" راہی پکے عزم سے بولا اور اس نے پھر یہ کر بھی دکھایا تھا "جنج" میں سلطان راہی کو پہلی بار کوئی کردار ملا اور اپنے پہلے چانس کو اس نے اس طرح پورا کیا کہ پھر وہ فلموں کی ضرورت بن گیا۔ کل تک جسے کوئی ایکسٹرا کا کردار دینے کو تیار نہیں تھا اسے اہم اور مرکزی نوعیت کے کردار ملنے لگے۔ فلم "بابل" اور "بشیرا" میں تو انہیں ایسی شہرت ملی جو کم ہی اداکاروں کو مل سکی ہے۔

"انشا اللہ یار بس اللہ سے مانگ.... وہی دینے والا ہے اور جب اپنے لیے دعا کرے تو مجھے بھی یاد رکھنا" قادر اسے ہلکا سا گھونسا مارتے ہوئے بولا۔

"سلطان یاروں کا یار ہے۔ پہلے تیرے لیے دعا کروں گا پھر اپنی باری آئے گی" وہ اسے پھر سے لپٹا کر بولا "اچھا پھر آؤں گا' جم کر کھیلتا رہ' تیرے کھیل سے میرا شوق بھی پورا ہوجاتا ہے۔" وہ جاتے جاتے بولا۔

سلطان راہی، قادر کے ساتھ کچھ عرصہ کرکٹ کھیلا تھا جہاں ان دونوں کی دوستی پکی ہوئی تھی مگر اس کی زندگی کا مقصد فلموں اور اداکاری میں چھپا ہوا تھا اس لیے وہ اس طرف نکل گیا تھا البتہ کرکٹ شوق کی حد تک بہرحال اس کے دل میں چھپی ہوئی ضرور تھی۔

کہتے ہیں کہ محنت رائگاں نہیں جاتی بہرحال اس کا ثمر ملتا ضرور ہے ایسا ہی کچھ قادر کے ساتھ ہوا تھا اگر اس نے کرکٹ کے لیے زندگی کی باقی ساری خواہشات اور آرام کو تج دیا تھا تو کرکٹ نے بھی اس سے وفا کی تھی۔ فرسٹ کلاس کرکٹ میں قادر کا ریکارڈ بڑھتا جا رہا تھا۔ اب وہ لاہور میں پہچانا جانے لگا تھا۔ خصوصاً کرکٹ کے حلقوں میں اس کے بارے میں لکھا پڑھا اور تبصرہ کیا جانے لگا تھا۔

جوں جوں اس کی کامیابیاں بڑھ رہی تھیں وہ مزید محنت کرنے لگا تھا۔ روز صبح لاہور جم خانہ گراؤنڈ کی دوڑ اس کے معمول کا حصہ تھی۔ سردی ہوتی یا سخت گرمی وہ فجر کے بعد اپنے معمول پر نکل جاتا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی منزل ابھی دور ہے اور اس مقام پر ایک ہلکی سی کوتاہی یا بُری کارکردگی اسے کوسوں پیچھے پہنچا سکتی ہے اور پھر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کی پشت پر کسی بااثر خاندان یا کسی اور تعلق داری کا ہاتھ نہیں ہے اس لیے اسے جو کچھ کرنا تھا خود ہی کرنا تھا اور اس کے پاس کامیابی کے آسمان تک پہنچنے کا صرف ایک ذریعہ تھا اور وہ تھی جدوجہد... اسے خود کو اس قابل بنانا تھا... خود کو اس طرح منوانا تھا کہ موقع دینے والے اسے موقع دینے پر مجبور ہو جائیں۔

اس کے پاس کرکٹ سیکھنے یا اس میں نئے پینترے بنانے کے بھی زیادہ مواقع نہیں تھے۔ اس نے بہت کم میچ دیکھے تھے خصوصاً سینئر کھلاڑیوں یا غیر ملکیوں کے میچ تو وہ بہت کم ہی دیکھ پایا تھا ویڈیوز اس دور میں موجود نہیں تھے جس کے ذریعے وہ کھیل کے مختلف انداز سیکھ پاتا اس لیے وہ خود ہی نت نئے انداز بنا کر کھیلتا... بالنگ کے نئے طریقوں کو پہلے انکل طریقوں سے آزماتا... پھر انہیں سیکھتا... ظاہر ہے کہ اس طرح سیکھنے میں اسے زیادہ وقت لگتا مگر پھر جو کچھ سامنے آتا وہ اس کا اپنا خاص انداز ضرور ہوتا۔

○☆○

قادر نے ۱۹۷۵ء میں حبیب بینک جوائن کیا تھا اور ۷۷-۷۶ کے فرسٹ کلاس سیزن میں اس نے سب سے زیادہ کھلاڑی آؤٹ کیے تھے ساتھ ہی اس کا رن ریٹ بھی کسی ایوریج بیٹسمین سے کم نہیں تھا۔ اس لیے اسے امید ہو چلی تھی کہ قومی ٹیم میں اس کی شمولیت کی منزل اب زیادہ دور نہیں ہے۔

اسی زمانے میں قادر کی زندگی میں ایک نئے تجربے کی آمد ہوئی۔ وہ جم خانہ گراؤنڈ پر پریکٹس کیا کرتے تھے۔ ایسی ہی پریکٹس کے بعد ایک روز وہ دوستوں کے ساتھ باہر نکل رہا تھا کہ ایک ماڈرن اور خوبصورت لڑکی نے ان کا راستہ روک لیا۔

"پلیز آپ آٹوگراف دیں گے..." وہ براہِ راست قادر سے مخاطب تھی۔

"م... میں... لائیے..." وہ تھوڑا سا گھبرایا... مگر پھر ہاتھ بڑھا کر آٹوگراف بک لے لی۔ اس وقت تک وہ قدرے مقبول ہو چکا تھا اگرچہ اب تک اس نے زیادہ آٹوگراف نہیں دیے تھے خصوصاً کسی خوبصورت لڑکی نے اس سے آٹوگراف نہیں مانگا تھا مگر اس کے باوجود وہ کچھ آٹوگرافس دے ہی چکا تھا۔ "یہ لیجیے" اس نے آٹوگراف بک اسے واپس کر دی۔

"یہ کیا...؟ صرف ود بیسٹ وشز... آپ کو کوئی اچھا جملہ تو لکھنا چاہیے تھا نا" وہ اسے گھور کر بولی۔

"میں آٹوگراف بک پر یہی لکھتا ہوں" قادر نے جواب دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اگر فین بہت زیادہ پرستار ہو تو وہ ایک الگ جملے کا حق دار بن جاتا ہے..." وہ خاصی منہ پھٹ واقع ہوئی تھی۔

"یہ فین کی اپنی مرضی ہوتی ہے جی... لکھنے والا تو جو لکھے گا خود اپنی مرضی سے لکھے گا پھر کسی کے لیے دعاؤں سے بڑھ کر کیا ہوتا ہے۔"

"چلیں مان لیا... اچھا یہ بتائیے کل بھی آپ لوگ اسی وقت پریکٹس کے لیے آئیں گے؟"

"جی...؟" قادر اسے سوالیہ انداز میں دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کا ساتھی اکرم بول اٹھا۔

"جی ہاں... اسی وقت... آپ ضرور تشریف لائیے گا... اب ہم چلتے ہیں..." وہ بھی جواباً ہاتھ ہلا کر آگے بڑھ گئی۔

"اس سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی...؟" قادر نے اکرم کو گھورا۔

"ابے یار اب اتنی خوبصورت لڑکی پوچھ رہی ہو تو اسے انکار تو نہیں کیا جا سکتا نا" وہ بے پروائی سے بولا۔

"تو نمٹے گا بھی آپ ہی حُسن کے پجاری ان سے..."

"بھائی ہم تو آج بھی نمٹنے کو تیار تھے مگر وہ تیرے گورے رنگ پر مرمٹی ہے غالباً" اکرم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

دوسرے روز وہ لڑکی بھی گراؤنڈ پر موجود تھی۔ وہ اپنے حُسن، لمبی قامت اور پھر لباس کی وجہ سے تمام ہی لوگوں کا مرکزِ نگاہ بنی ہوئی تھی۔ قادر کو باہر آتا دیکھ کر وہ لپک کر اس کی طرف بڑھی۔

"شکر ہے آپ کی پریکٹس ختم تو ہوئی۔ مجھے تو لگ رہا تھا کہ آپ آج باہر آئیں گے ہی نہیں۔"

"آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟" قادر سنجیدگی سے بولا۔

"تو آپ کو میں شکل سے مطلبی لگ رہی ہوں کہ مطلب تھا جو میں بیٹھی رہی" اس نے اسے گھورا۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا..."

"مگر مطلب تو یہی تھا۔ بھئی دو انسان بغیر مطلب کے بھی ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں، باتیں کر سکتے ہیں اور ایک دوسرے کا نام بھی پوچھ سکتے ہیں اب آپ کا نام تو مجھے معلوم ہے مگر آپ نے اب

تک میرا نام نہیں پوچھا۔۔۔ اب یہ تو آؤٹ آف ایٹی کیٹ مگر میں خود ہی اپنا نام بتا دیتی ہوں۔۔۔ میرا نام ثنا ہے' ثنا مجید علی۔۔۔" وہ مسلسل بول رہی تھی۔

"ٹھیک ہے مس ثنا' مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔۔۔ اب میں چلتا ہوں۔"

"ارے واہ کیا خوشی میں ایسا ہوتا ہے۔ ابھی تو آپ کو میرے ساتھ چائے پینی ہے۔"

"نو تھینک یو۔۔۔" قادر نے فوری طور پر کہا۔۔۔ وہ چونکہ اکیلا تھا اس لیے زیادہ ہی گھبرا رہا تھا پھر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ دوستوں نے اس کا مذاق بھی اڑانا ہے۔

"ارے آپ کتنا تکلف کرتے ہیں' کیا چائے کو بھی کوئی ٹھکراتا ہے۔۔۔ اور ابھی تو آپ پریکٹس سے فارغ ہوئے ہیں۔۔۔ تھکے ہوئے ہیں ایسے میں جم خانہ کی چائے بھی اچھی لگے گی۔۔۔"

"سوری مس ثنا مجھے کہیں پہنچنا ہے۔۔۔"

"اوہ۔۔۔ اچھا آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دیتی ہوں" وہ کسی طرح جان چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھی۔

"نہیں میں چلا جاؤں گا" وہ کچھ رکھائی سے بولا۔

"وہ تو ظاہر ہے کہ آپ روز جاتے ہیں ہی مگر آج میں چھوڑ دیتی ہوں۔"

"دیکھیے مس ثنا مجھے اس طرح کی باتیں پسند نہیں ہیں۔ آپ کرکٹ پسند کرتی ہیں ہم نے بات کرلی مگر میں اس سے زیادہ دوستی کا قائل نہیں ہوں۔۔۔"

"مگر مجھے کرکٹ سے کب دلچسپی ہے سچ پوچھیے تو مجھے کرکٹ بالکل اچھی نہیں لگتی۔"

"مگر آپ نے کہا تھا کہ آپ میری فین ہیں۔۔۔"

"ہاں آپ کی فین ہوں مگر کرکٹ کی فین بالکل نہیں ہوں۔" وہ صفائی سے بولی۔

"بہر حال یہ آپ کی مرضی ہے میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے اپنی بیوی کے ساتھ کہیں جانا ہے اس لیے پلیز آپ مجھے معاف کریں" قادر اپنے مخصوص رکھائی والے موڈ میں آگیا تھا۔

"بیوی اوہ تو حسِ مزاح ہے آپ میں۔۔۔ اب آپ کہیں گے کہ آپ کی شادی ہو چکی ہے" وہ اس کی بات کو ہنسی میں اڑا کر بولی۔

"جی ہاں۔۔۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔۔۔"

"جی نہیں۔۔۔ میں اجنبیوں سے مذاق نہیں کرتا۔۔۔ اوکے۔۔۔ اللہ حافظ" قادر یہ کہہ کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اسے اس لڑکی کی باتوں نے نہ صرف حیرت زدہ کر دیا تھا بلکہ وہ قدرے غصے میں بھی تھا وہ گیٹ کے پاس پہنچا ہی تھا کہ اکرم' متین' ریاض وغیرہ نے اسے گھیر لیا۔

"خوب باتیں کرلیں ہاں۔۔۔" اکرم نے اسے چھیڑا۔

"بکواس مت کرو۔۔۔ نہ جانے آج کل لوگوں کو کیا ہو گیا ہے حتیٰ کہ لڑکیاں تک ایسی باتیں عام کرتی پھرتی ہیں جو ہم نہیں کرسکتے" وہ غصے میں تھا۔

"کیا ہو گیا ہے بھئی؟"

"یار وہ صاف کہہ رہی تھی کہ میں کرکٹ کی نہیں آپ کی فین ہوں۔۔۔ سوچو کیا مطلب ہوا اس بات کا" قادر منہ پھلا کر بولا۔

"تو تو نے کیا کہا۔۔۔؟"

"یہی کہ مجھے اپنی بیوی کے ساتھ جلد کہیں پہنچنا ہے۔"

"ابے یار ذرا بیوقوف ہے تو۔۔۔" متین سر پر ہاتھ مار کر بولا۔

"مجھے یقین تھا کہ یہ معاملہ یوں ہی ہوگا" ریاض سنجیدگی سے بولا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"یار ہمارے معاشرے میں قدریں جس تیزی سے بدل رہی ہیں وہاں یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہے۔ تمہیں ایک بات بتاؤں جم خانہ یا اس قسم کی جگہوں پر یہ لڑکیاں آتی ہی خاص مقصد سے ہیں۔ یہ کوئی معمولی لڑکیاں نہیں ہوتیں' لکھ پتی خاندانوں سے تعلق ہوتا ہے ان کا۔ کرکٹ یا دوسرے کھیلوں میں اچھے مستقبل کے مالک کھلاڑی ان کی نظر میں ہوتے ہیں' پیسہ تو ہوتا ہے نا ان کے پاس اچھی کارکردگی' اچھی شکل والا کوئی ابھرتا لڑکا آنے والے دنوں میں سوشل اسٹیٹس میں اضافے کا سبب بنتا ہے اور پھر اپنے بیک گراؤنڈ کی بنا پر دبا بھی رہتا ہے۔ یہ جو کچھ کر رہی ہوتی ہیں اس میں ان کے خاندان کی مرضی بھی شامل ہوتی ہے" ریاض متانت سے بولا۔

"نہیں یار۔۔۔ بھلا انہیں کیا کمی ہوگی رشتوں کی۔"

"میں نے تمہارے سامنے پوری نفسیات رکھ دی ہے۔ یہ ڈرامے میں نے بہت دیکھے ہیں۔۔۔ قادر تم ان باتوں میں مت آنا۔۔۔ ابھی تمہارے لیے بہت سے جال بچھیں گے مگر تمہارے گھر میں تمہارے برے وقتوں میں تمہارا ساتھ دینے والی بیوی موجود ہے۔۔۔ خوش رنگ جالوں میں پھنس کر اسے مت بھول جانا۔" ریاض ان سب میں سنجیدہ تھا۔

"ابے نہیں یار' توبہ کر' میں ان باتوں میں نہیں آسکتا اور پھر تو نے میری ماں کو نہیں دیکھا وہ مجھے گنجا کر دیں گی۔۔۔" قادر ہنستے ہوئے بولا۔

ثنا مجید علی اگلے کئی روز تک مسلسل اس سے ملتی رہی تھی مگر جب اسے درحقیقت یہ یقین ہو گیا کہ قادر شادی شدہ ہے' اس نے واقعی اس سے کٹنا شروع کر دیا۔۔۔ کچھ ہی روز بعد وہ ایک اور ابھرتے نام جمشید کے ساتھ دیکھی جانے لگی تھی۔

○☆○

فرسٹ کلاس کرکٹ کے پہلے ہی سال قادر کی کارکردگی نے بالنگ کے شعبے میں تمام ریکارڈز توڑ دیے تھے اس کے ٹیم منیجر' لڑکوں اور خود اس کے علاوہ تقریباً سب ہی لوگوں کو یہ امید ہو چلی تھی کہ اسے اس سال قومی کرکٹ ٹیم کے لیے لگنے والے سلیکشن کیمپ میں ضرور طلب کیا جائے گا۔ راہ چلتے لوگ اس سے یہ ہی

سوال کیا کرتے تھے جب کہ اس کے کلب کے لڑکے تو سارا پروگرام تک بنائے بیٹھے تھے کہ قادر کے سلیکشن پر وہ کیا کیا پروگرام کریں گے۔

اسی لیے جب قادر کو کیمپ سے بلاوا آیا تو اسے بہت زیادہ حیرت نہیں ہوئی وہ تو اس امتحان کا کب سے منتظر تھا۔ ہاں وہ بہت زیادہ خوش تھا اس کے سفر کا ایک اور سنگِ میل طے ہو گیا تھا۔

”مجھے یقین ہے کہ تمہارا سلیکشن ہو جائے گا“ اس کے ٹیم منیجر نے اس کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اور ظاہر ہے کہ بینک اس بات سے بہت خوش ہوگا.... قادر اس کے نتیجے میں تمہاری ترقی بھی ہو جائے گی۔“ اسپورٹس ڈویژن کے انچارج نے گفتگو میں حصہ لیا۔

”اس سب سے ہٹ کر سر میرا خواب پورا ہو جائے گا.... قومی ٹیم میں پہنچنا میرا خواب ہے اور اگر مجھے ایک موقع مل گیا تو میں خود کو منوالوں گا“ قادر بولا۔

”تمہیں کیمپ میں کب حاضر ہونا ہے؟“

”پرسوں صبح نو بجے کا نوٹس ملا ہے۔“

”ٹھیک ہے وِش یُو آل آف لک....“

اماں نے کیمپ کے لیے جانے سے پہلے اس کا باقاعدہ صدقہ اتارا.... آپا اس روز رات ہی سے گھر آئی ہوئی تھیں۔ ابا نے دعائیں پڑھ کر اسے دم کیا۔ مینا کی نظر نظر میں دعائیں موجود تھیں۔ نہ جانے قادر کو کیوں یقین سا ہو چلا تھا کہ وہ کیمپ میں ضرور ... بالضرور سلیکٹ کر لیا جائے گا۔ ایک طرف اسے اپنے پچھلے پورے سال کی کارکردگی سے مضبوط سہارا ملا ہوا تھا تو دوسری جانب اسے خود پر بھروسا بھی تھا اور یہی اعتماد اس کی ہمت بڑھا رہا تھا۔ کیمپ میں پہلے دن سے ہی اس کی پریکٹس اچھی جا رہی تھی۔ دوسرے لڑکوں میں اسے جس کھلاڑی کی ٹننس نے بہت متاثر کیا تھا وہ نوجوان کھلاڑی جاوید میانداد تھا۔ اس کی عمر پندرہ سولہ سال کے لگ بھگ تھی مگر اس کے شاٹس بہت طاقتور تھے جو اس کے روشن مستقبل کی عکاسی کر رہے تھے۔ کیمپ کے دوران ہی قادر نے اپنا پہلا باقاعدہ انٹرویو دیا۔ یہ انٹرویو اسپورٹس کے ایک رسالے کے لیے لیا گیا تھا۔

”یار تم تو بہت اچھی بالنگ کر رہے ہو، لگتا ہے اس بار تم سلیکٹ ہو ہی جاؤ گے“ یوں تو کیمپ کے دوران لڑکوں میں دوستی ہو ہی جاتی ہے مگر منظور نامی لڑکا چند ہی دنوں میں قادر کے بہت قریب آگیا تھا۔

”ہاں کوشش تو کر رہا ہوں۔“ قادر مسکرایا۔

”مگر یار یہاں صرف کوشش کام نہیں کرتی، کچھ اوپر تک پہنچ بھی ہے یا نہیں؟“

”ہے، بہت اوپر تک پہنچ ہے....“

”اچھا.... بہت اچھے.... تو میری بھی سفارش کروا دو۔“

”کردوں گا مگر تم خود بھی تو کوشش کر سکتے ہو....“

”میں! کیا مطلب.... کیا تم مجھے ملوا دو گے....“

”میں کیا ملواؤں گا.... ارے ہاں.... چلو حاضری کا وقت ہو گیا.... چل کر خود ہی کہہ ڈالو جو کہنا ہے“ قادر ظہر کی اذان کی آواز سن کر اٹھتا ہوا بولا۔

”کیا مطلب.... تمہارا مطلب ہے کہ نماز.... میں سمجھا کہ شاید سلیکٹرز سے جان پہچان ہے“ منظور مایوسی سے بولا۔

”کیا وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ طاقتور ہیں.... بھائی جو مانگنا ہے اس پاک پروردگار سے مانگو.... انسانوں سے مانگا تو کیا مانگا اور پھر وہ تمہیں دے بھی کیا سکتے ہیں، کتنا دے سکتے ہیں؟“ وہ اعتقاد سے بولا۔

”کہتے تو ٹھیک ہو.... اچھا چلو....“

”ویسے میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں“ نماز کے بعد کھانا کھاتے ہوئے منظور نے قادر سے دھیرے سے کہا

”کیا....؟“

”جاوید میانداد کو دیکھ رہے ہو....؟“ منظور نے پوچھا۔

”ہاں.... اچھا کھیلتا ہے۔“

”کھیلتا تو اچھا ہے مگر تمہاری سلیکشن کے لیے سب سے بڑا خطرہ بھی یہی ہے“ منظور نے سرگوشی میں کہا۔

”کیا مطلب....“ قادر کے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

”بھئی اس کا ریکارڈ بھی اچھا ہے، کھیلتا بھی یہ خوب ہے پھر سنا ہے کہ اس کے والد کی اچھی جان پہچان بھی ہے۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس بار میانداد ضرور سلیکٹ ہوگا۔

”بھئی جو اچھا کھیلے گا منتخب ہو جائے گا....“ بظاہر قادر بے نیازی سے بولا مگر اس کے دل میں طوفان اٹھ رہے تھے۔ وہ اس موقع کو ضرور جیتنا چاہتا تھا.... ناکامی کا لفظ سوچنا بھی اس کے لیے مشکل سا تھا مگر ظاہر ہے کہ زندگی کے سکّے کا ایک رخ اگر کامیابی ہے تو دوسرا ناکامی۔

اس کے بعد قادر نے جاوید کے کھیل کو بغور دیکھنا شروع کیا.... وہ ملنسار بھی تھا۔ سب ہی لوگوں سے محبت سے بات کرتا.... وقت کا پابند تھا اس لیے سب کا ہی فیورٹ تھا۔ قادر نے غیر ارادی طور پر اس دن سے ہی اس کی تعریف کرنا چھوڑ دی تھی بلکہ اگر صحیح معنوں میں یہ کہا جائے کہ وہ میانداد کو اپنا رقیب سمجھنے لگا تھا تو غلط نہ ہوگا۔ سلیکشن اس وقت اس کے لیے بلکہ کیمپ میں آئے ہوئے تمام ہی کھلاڑیوں کے لئے لیلیٰ سے کم نہ تھی۔ کیمپ میں آنے والے کھلاڑیوں کے مابین ہمیشہ ایک عجیب سا رشتہ ہوا کرتا ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ پریکٹس کرتے ہیں، ورزش کرواتے ہیں.... کسی کا پٹھا چڑھ جائے یا ہاتھ پیر کی رگ چڑھ جائے تو ایک دوسرے کا مساج بھی کرتے ہیں۔ ایک ساتھ کھاتے پیتے ہیں مگر اس کے باوجود دل ہی دل میں وہ ایک دوسرے کے حریف ہوتے ہیں۔ کسی کی اچھی کارکردگی

دوسرے کو صحیح معنوں میں خوش نہیں کر سکتی۔ وہ ساتھی ہونے کے باوجود دل ہی دل میں ایک دوسرے کے لیے بری کارکردگی اور شکست کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے کہ ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے اور جب جس چیز کا وقت ہوتا ہے تب ہی وہ چیز ممکن ہوپاتی ہے۔ جس روز سلیکشن کا اعلان ہونا تھا وہ روز یوں تو سب ہی کھلاڑیوں پر بھاری ہوتا ہے مگر قادر صبح ہی سے گھبراہٹ کا شکار تھا اس کا دل کہہ رہا تھا کہ اسے لے لیا جائے گا جب کہ دماغ اسے حالات کا دوسرا رخ بھی نظر میں رکھنے کی ہدایت دے رہا تھا بہرحال فیصلہ ہوگیا۔

اس سال کیمپ سے ایک کھلاڑی کو سلیکٹ کرلیا گیا تھا جسے قومی ٹیم میں شریک ہونا تھا اور ورلڈ کپ میں بھی جانا تھا۔ سال میں ایک کھلاڑی کے منتخب ہونے کا مطلب سخت ترین مقابلہ تھا اور وہ کھلاڑی اس سخت مقابلے کی آگ سے کندن بن کر نکل آیا تھا۔

اس کا نام جاوید میانداد تھا۔

بعد میں کئی لوگوں نے قادر کو بتایا کہ سلیکٹرز کے پاس جاوید کے بعد دوسرا نام عبدالقادر کا تھا مگر چونکہ میانداد کا بیٹنگ ریکارڈ بہت اچھا تھا اور پھر ٹیم کو اس وقت ایک اچھے بیٹسمین کی بالر سے زیادہ ضرورت تھی اس لیے میانداد کو منتخب کرلیا گیا۔

قادر کے لیے برسوں کے بعد یہ پہلی شکست تھی جسے اس نے ہنستے کھیلتے برداشت کرلیا تھا مگر یہ حقیقت تھی کہ سلیکٹ نہ ہونے نے اس کے دل پر بہت بوجھ ڈال دیا تھا۔ دو تین دن تک وہ کرکٹ نہیں کھیلا تھا حتیٰ کہ صبح کی دوڑ کے لیے بھی نہیں گیا تھا۔

"کیا بات ہے قادر۔۔۔ یہ تو آج کل صبح دوڑنے کیوں نہیں جاتا۔" بالآخر اماں نے اس سے پوچھ ہی لیا۔

"بس اماں ایسے ہی۔۔۔"

"کیا ایسے ہی۔۔۔ صاف کیوں نہیں کہتا کہ ہمت ہار بیٹھا ہے۔۔۔ ارے بھئی میں کھلاڑی نہیں ہوں مگر یہ ضرور جانتی ہوں کہ مقابلے میں ساری ٹیمیں ایک ساتھ کبھی نہیں جیت سکتیں اور اس میں نہ تو ہارنے والی ٹیم بری ہوتی ہے اور نہ ہی یہ مقابلے کا قصور ہوتا ہے۔ یہ تو قانونِ قدرت ہے۔ ہاں، جو دل لگا کر اپنا کام کرتے ہیں جلد یا بدیر منزل انہیں ضرور ملتی ہے۔"

"جی اماں۔۔۔" قادر سر جھکا کر بولا۔

"کیا جی اماں۔۔۔ سوچ ذرا قادر! تجھ کو تیرے حصے اور تیری محنت سے زیادہ ملا ہے تو کل کیا تھا اور آج تیری کتنی عزت ہے۔ لوگ تجھے جانتے ہیں۔ جہاں سے گزرتا ہے ہاتھ اٹھا کر سلام کرتے ہیں۔ تو ایک اچھی جگہ کام کررہا ہے اللہ نے کیا نہیں دیا۔۔۔ باقی رہا ٹیم کا مسئلہ تو یہ تو سب ہی کہہ رہے ہیں کہ تو اگلے سال تو ضرور ہی سلیکٹ ہوجائے گا۔۔۔ بس کارکردگی اچھی رکھ اپنی۔"

"ٹھیک ہے اماں۔۔۔ آپ سچ کہہ رہی ہیں، اس سوہنے رب نے مجھے بہت عزت دی ہے۔ بس ایسے ہی مایوسی کا شکار ہوگیا تھا۔۔۔" قادر اماں کی باتوں سے قائل ہوتا ہوا بولا۔

"مایوسی کفر ہے، محنت کر اور اللہ پر یقین رکھ۔۔۔" اماں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"میرا وعدہ ہے اماں کل سے میں دوڑ کے لیے جاؤں گا اور ابھی پریکٹس کے لیے۔۔۔" قادر اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

اس زمانے میں وہ جہاں سے گزرتا تھا لوگ اس سے یہ ہی بات کرتے کہ وہ قومی ٹیم میں کیوں نہیں آیا جیسے کہ یہ اس کے اپنے بس کی بات ہو مگر اب وہ مسکرا کر جواب دینے کا حسن سیکھ گیا تھا۔ میچ وہ اب بھی بے شمار کھیل رہا تھا۔ اس ساری مصروفیت میں جو نقصان اسے ہوا، وہ اس کی تعلیم چھوٹ جانے کا نقصان تھا ظاہر ہے کہ فرسٹ کلاس کرکٹ کی ذمے داریوں کے ساتھ وہ کالج کی ٹیم کے لیے کبھی کبھار کھیل تو سکتا تھا مگر پڑھنا اور امتحان دینا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ بہرحال زندگی بہت بڑی معلم ہے بعض اوقات جو کچھ کتابی اور اسکول و کالج میں دیا جانے والا علم نہیں سکھا سکتا وہ بھی زندگی کی درسگاہ سکھا دیتی ہے قادر تو یوں بھی بچپن سے ہی اس درسگاہ سے براہِ راست علم حاصل کررہا تھا۔

اسے کیمپ سے واپس آئے تین چار ماہ ہوئے تھے کہ اسے زندگی کی سب سے بڑی خوشخبری سننے کو ملی۔

"آپ آج کل رات کو بھی دیر سے آتے ہیں۔۔۔؟" مینا اس رات کچھ ناراض لگ رہی تھی۔

"کیا کروں مینا، کلب کو بھی وقت دینا ہوتا ہے پھر آج کی محنت کل کو بنائے گی۔۔۔" قادر دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر لیٹتے ہوئے بولا۔

"پھر بھی کچھ وقت تو آج کے لیے بھی نکالنا چاہیے نا، دو دن سے آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہوں مگر رات کو اتنی دیر ہوجاتی ہے کہ کر ہی نہیں پاتی۔۔۔"

"ارے تو ایسی کیا بات ہے، تم بتانا چاہتیں تو بتادیتیں۔۔۔" قادر اسے گھور کر بولا "اور اب بھی بات کہاں بتارہی ہو، تمہید باندھے جارہی ہو۔۔۔"

"وہ دراصل بات یہ ہے کہ۔۔۔" مینا کچھ ہچکچائی۔

"او بھائی ہے کیا بات آخر؟"

"آپ۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ میں۔۔۔ اماں دادی بننے والی ہیں" وہ بالآخر کہہ ہی گئی۔

"چلو اچھا ہے" قادر پہلے تو روانی سے بول گیا پھر وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا "کیا۔۔۔؟ تمہارا مطلب ہے دادی۔۔۔ یعنی میں باپ بننے والا ہوں۔۔۔ واقعی۔۔۔" وہ بہت خوش ہوگیا تھا۔

"جی ہاں۔۔۔" مینا سر جھکا کر مسکرادی۔

"ارے یہ تو کمال ہوگیا۔۔۔ اماں کو بتایا؟"

"آہستہ بولیے نا۔۔۔ ابھی کسی کو معلوم نہیں ہے" مینا شرمائی۔

"تو پھر دیر کیا ہے... ابھی بتاتا ہوں سب کو... اماں..." قادر وہیں سے آواز لگا کر بولا۔

"ارے کیا کرتے ہیں آپ' رات کے ساڑھے دس گیارہ بجے کیوں اماں کو بے آرام کرتے ہیں کل بتا دیجئے گا۔"

"کیوں بھئی کل کیوں؟ آج کیوں نہیں۔ اتنی بڑی خوشی کی بات ہے میں تو ابھی بتاؤں گا" قادر بستر سے اتر کر کھڑا ہو گیا "اماں... اماں..."

دو کمروں کے مکان میں یوں بھی آوازوں کا پردہ کہاں ممکن ہوتا ہے اس پر قادر کی زوردار آواز تو پورے گھر میں ہی گونج اٹھی تھی۔

"ارے کیا ہو گیا... قادر خیر تو ہے..." اماں اس کی بات سن کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"ارے اماں آپ آرام سے سو رہی ہیں اور یہاں بڑی گڑبڑ ہونے والی ہے" وہ ان کے کندھے تھام کر بولا۔

"کیسی گڑبڑ... کیا کہہ رہا ہے تو؟"

"اماں اب جو تم اس گھر کو اتنا صاف ستھرا لیپ پوت کر رکھتی ہو نا' یہ اب ممکن نہیں رہے گا... شور شرابا الگ بچے کا یہ گڑبڑ ہوئی کہ نہیں..." وہ مسلسل کہے جا رہا تھا۔

"ارے کیوں نہیں رہے گا صاف اور کون شور شرابا کرے گا' کیا ہو گیا ہے قادر تجھے... دیوانہ تو نہیں ہو گیا... ہزاروں بار کہا ہے کہ رات کو بڑی پیپلیا کے نیچے سے مت آیا کر مگر تو تو میری باتوں کا مذاق اڑاتا رہا ہے اب دیکھ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے' اے حافظ صاحب دیکھیے نا لڑکے کو کیا ہو گیا ہے..." اماں اب گھبرا گئی تھیں۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا ہے اماں... بات صرف اتنی ہے کہ تم دادی بننے والی ہو" وہ اماں کے گلے میں ہاتھ ڈال کر بولا۔

"ہیں! کیا سچ... اے میں صدقے... کتنے دن ہو گئے... اس خبر کو سننے کی تمنا میں... اللہ کا شکر ہے میری بہو کہاں ہے۔ بلا اسے جلدی... بلائیں تو لوں اس کی... کتنی اچھی خبر ملی ہے۔ اے حافظ صاحب سن رہے ہیں نا آپ... خدا نے اچھے دن دکھائے ہیں تو ہر طرف سے اچھی خبریں مل رہی ہیں۔"

اماں خوشی سے نہال ہو گئیں۔

"اللہ کا شکر ہے... پروردگار کا احسان ہے" حافظ صاحب اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے بولے۔ چند ہی لمحوں میں چھوٹے سے گھر میں خوشی کی لہر کرنٹ کے مانند دوڑ گئی تھی۔ غلام حیدر اور بہادر میں اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ آنے والا ان میں سے کس کو چاچو کہے گا۔ اماں مینا کو مسلسل نصیحتیں کر رہی تھیں تو کبھی اس کا ماتھا چوم لیتیں۔

اس رات قادر بہت خوش اور مطمئن ہو کر سویا تھا۔ زندگی دھیرے دھیرے اس کے راستے میں خوشیوں کے پھول کھلا رہی تھی۔ مسرتوں کے دیپ جل رہے تھے اور اسے یقین ہو چلا تھا کہ ان کی روشنی میں وہ اپنی منزل تک ضرور جا پہنچے گا۔

انہی دنوں ایک فرسٹ کلاس میچ میں قادر نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ وہ حبیب بینک کی طرف سے کھیل رہا تھا اور ان کا مقابلہ یو بی ایل کی ٹیم سے تھا اس میچ میں قادر نے بہت اچھی پرفارمنس دی۔ صرف ۶۰ رنز دے کر قادر نے سات وکٹیں لے لی تھیں اور ۴۹ رنز بنا کر ناٹ آؤٹ رہا تھا۔

اس میچ میں اسے مین آف دی میچ قرار دیا گیا تھا۔ میچ کے اختتام پر اسے ارشد نامی شخص سے نہ جانے کس نے ملوایا۔

"قادر صاحب میں آپ کا بہت پرستار ہوں... آپ بہت اچھا کھیلتے ہیں۔ خصوصاً آج تو آپ نے کمال کر دیا ہے۔"

"شکریہ..." قادر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"میں آپ کی اجازت سے ایک اعلان کرنا چاہتا ہوں۔"

"اعلان... کیسا اعلان...؟" اب کے قادر حیران ہو کر بولا۔

"میں آپ کو اتنی اچھی پرفارمنس پر مبارکباد کے ساتھ ایک پلاٹ کا تحفہ دینا چاہتا ہوں" وہ بولا۔

"پلاٹ؟ مگر اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"ضرورت نہیں یہ میری خوشی ہے تو پھر آپ کی اجازت سے میں اعلان کر رہا ہوں۔"

یوں قادر کو اس کی زندگی کا پہلا تحفے میں ملنے والا پلاٹ مل گیا تھا آج کل قادر مکمل فارم میں تھا۔ ہر میچ میں اس کی بالنگ تباہ کن ثابت ہوتی تو رنز قیمتی اضافہ۔ اس کی پرفارمنس لوگوں کے لبوں پر ایک ہی سوال کو جنم دے رہی تھی کہ آخر وہ قومی ٹیم میں کیوں نہیں کھیلتا۔ وہ عموماً اس سوال کے جواب میں مسکرا کر خاموش ہو جاتا۔ مگر اب وہ خود بھی یہی چاہتا تھا اسے صرف ایک موقع مل جائے۔ بحیثیت کھلاڑی وہ یہ بات تو جانتا ہی تھا کہ ہر کھلاڑی ساری عمر بہتر فارم میں نہیں رہ سکتا۔ ابھی اس کا آغاز ہی تھا مگر وہ خراب وقت کے آنے سے پہلے اپنا مقام بنا لینا چاہتا تھا۔

"قادر صاحب آپ کو تو بہت پہلے قومی ٹیم میں آجانا چاہیے تھا" ایک میچ کے بعد اس سے جب یہی سوال کیا گیا تو وہ درحقیقت چڑ سا گیا۔

"قومی ٹیم کوئی ٹرین تو ہے نہیں کہ اس میں جب چاہے جو چاہے جا کر بیٹھ جائے جب مجھے سلیکٹ کیا جائے گا میں تب ہی ٹیم میں آسکوں گا" اس کے دل میں درحقیقت اُبال سے اٹھ رہے تھے۔ یہ حقیقت تھی کہ یہ ہی اس کی بھی سب سے بڑی خواہش تھی مگر ظاہر ہے کہ اس خواہش کی تکمیل خود اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ جذباتی سی کیفیت میں گراؤنڈ سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے بس دل اسے لیے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد قادر نے خود کو دھرم پورہ کی جامع مسجد کے سامنے کھڑا پایا۔

وہ بے اختیار مسجد میں داخل ہوگیا۔ اس کا دل اور آنکھیں دونوں بھری ہوئی تھیں اور وہ یہ آنسو کسی اور کے سامنے نہیں بہانا چاہتا تھا۔

یوں تو ان کے گھر نماز کی پابندی بچے بچے کے لیے تھی ہی..... وہ خود پابندی سے نماز ادا کرتا آیا تھا مگر اس روز کی ان دو رکعت نماز کا لطف اسے ساری زندگی پھر نہیں آیا۔ وہ نماز کے بعد پروردگار سے رو رو کر صرف ایک موقع کی بھیک، مانگتا رہا تھا اور جب وہ مسجد سے باہر آیا تو اس کا دل اضطراب کے طوفان سے باہر نکل آیا۔ وہ خود کو بہت مطمئن پا رہا تھا اسے یوں لگ رہا تھا جیسے مالکِ حقیقی نے اس کی فریاد سن لی ہو۔

اس سال قادر کو قومی ٹیم میں سلیکٹ کرلیا گیا۔ دھرم پورہ جیم خانہ کلب کے لڑکوں نے باقاعدہ اسے کندھوں پر اٹھا کر جلوس نکالا..... قادر خود بھی بہت خوش تھا مگر اس کے دوست اس سے بھی زیادہ خوش تھے۔

"اب یار اچھا کھیلنا..... ایسا نہ ہو کہ ناک کٹوا کے رکھ دے" متین اسے جھنجھوڑ کر بولا۔

"بھائی تیری ناک تو پہلے ہی اتنی سی ہے اسے کیا کٹوائے گا قادر..... تو مطمئن رہ" جمال ہنس کر بولا۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے مگر اب قادر تجھے اپنا خیال رکھنا ہوگا۔ موقع ایک بار ہی ملتا ہے..... یہ نہیں کہ ہمیشہ کی طرح دوسروں کے جھگڑوں میں ٹانگ اڑاتا پھرے....." مسرور اسے تنبیہہ کرتے ہوئے بولا۔

"بس..... مجھ سے غلط بات برداشت نہیں ہوتی چاہے وہ کوئی بھی کیوں نہ کرے۔ غلط بات ہوتے دیکھ کر میرا خون کھول اٹھتا ہے....." قادر بولا۔

"تو یار تو کُرا بن بڈ ہے نہ خدائی فوجدار اور پھر تو اس بات کا فیصلہ کرنے والا کون ہے کہ غلط بات کیا ہے" مسرور اسے باقاعدہ ڈانٹ کر بولا "وہ جو تُو دو تین ہفتے پہلے شاہ جی کے بیٹے کے لیے باقاعدہ لڑا تھا نا جانتا ہے کہ وہ کتنے غلط لوگ ہیں۔"

"یار وہ میرا دوست ہے..... قادر بیگ والوں نے اس سے نہ صرف جھگڑا کیا تھا بلکہ اس کی پھبتی بھی لگائی تھی تو اب ہمارا فرض تھا کہ اس کی مدد کرتے" قادر گویا اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولا۔

"بہرحال اب اس جذبے کو کچھ عرصے کے لیے مؤخر کیے رکھنا ورنہ لڑائی جھگڑے میں کسی کو بھی چوٹ لگ سکتی ہے۔ ان فٹ ہوگئے تو یہ چانس ہاتھ سے چلا جائے گا" مسرور کی بات پر قادر نے سر ہلایا۔

یہ بات خود اس نے بھی سوچ رکھی تھی۔ ورنہ وہ تو ہر یار دوست کے جھگڑے میں کود پڑنے کا ماہر تھا پھر سامنے والی پارٹی کتنی ہی تگڑی ہوتی وہ اس بارے میں سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا۔

غصہ یوں بھی ہمیشہ سے قادر کی بڑی خامی رہا تھا اس غصے میں اکثر وہ اپنا ہی نقصان کر بیٹھتا تھا۔ اس کے دوستوں میں مشہور تھا کہ قادر سے کوئی چیز لینی ہو تو وہ اسے غصہ دلا کر با آسانی..... لی جاسکتی ہے پھر غصے میں وہ کیا کچھ کہہ جاتا تھا اس کا اسے وقت پر کبھی پتا نہیں چلتا تھا بقول مسرور کے وہ آنکھیں بند کرکے منہ کھول دیتا تھا بس اس کے بعد جو منہ میں آتا ظاہر ہے کہ وہ اسے دل میں نہیں رکھتا تھا اس کی اس ہی عادت نے اسے زندگی میں بڑے بڑے نقصان پہنچائے تھے۔

قادر نے اپنا پہلا ٹیسٹ بلکہ ٹیسٹ سیریز انگلینڈ کے خلاف کھیلی تھی۔ ۷۸-۱۹۷۷ء کی اس سیریز میں انگلینڈ کی ٹیم پاکستان آئی تھی۔ یہ سیریز ۳ ٹیسٹ میچوں کی تھی جن میں سے تینوں میچ ڈرا ہو گئے تھے۔ اس سیریز میں پاکستانی ٹیم کی سربراہی وسیم باری کے حصے میں آئی تھی جب کہ انگلینڈ کے کپتان جے ایم بریرلی تھے البتہ آخری ٹیسٹ میں انگلینڈ کے کھلاڑی بائیکاٹ جو کہ ٹیم کے نائب کپتان بھی تھے کپتان بنے تھے۔ یہ پاکستان اور انگلینڈ کے مابین کھیلی جانے والی نویں ٹیسٹ سیریز تھی۔

کیریئر کا آغاز یوں تو ویسے بھی کبھی نہیں بھولتا مگر قادر کے لیے یہ سیریز اور سب سے بڑھ کر پہلا ٹیسٹ میچ کبھی نہ بھولنے والی یاد ہی ثابت ہوئے۔ اس میچ کے لیے اس نے بھرپور تیاری کی تھی۔ دنوں پریکٹس کی تھی وہ اس میچ کو یادگار میچ بنا دینا چاہتا تھا۔ مگر تدبیر کردہ بندہ تقدیر کردہ خندہ کے مطابق گراؤنڈ پر اس کی ساری کاوشیں بے سود ثابت ہو رہی تھیں۔ یہ درست تھا کہ وہ برطانوی کھلاڑیوں کو باندھ رکھنے میں کامیاب ہو رہا تھا۔ مگر وکٹ..... عروس کامیابی کے مانند اس کے ہاتھ سے نکلے جارہی تھی۔ اپنی پوری کوشش کے باوجود وہ پہلے ٹیسٹ میں صرف ایک وکٹ لے سکا تھا۔ یہ اس کے اب تک کے میچوں کی سب سے بُری کارکردگی تھی۔ میچ ختم ہوتے ہی وہ خاموشی سے ہوٹل پہنچ گیا۔ اس کا دل کسی سے بات کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا..... تو یہ ہونا تھا انجام..... وہ دل ہی دل میں بڑبڑایا۔ اتنی کوششوں کے بعد اس کا ہاتھ خالی رہ گیا تھا اسے یقین ہوگیا تھا کہ شاید اب وہ بھی ون میچ ونڈر بن کر رہ جائے گا۔ جو بالر ۸۰ رنز دے کر ایک وکٹ لے اور پھر وہ نیا بھی ہو تو اسے بھلا کون کپتان چانس دینے کا خطرہ مول لے گا۔ اسے بار بار اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا..... وہ اس بات پر یقین نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اس نے یعنی عبدالقادر نے اتنی بُری پرفارمنس کا مظاہرہ کیا تھا۔ ہوٹل کے کمرے سے اپنا سامان لے کر نیچے اُترتے ہوئے وہ انہی سوچوں کے منجدھار میں پھنسا ہوا تھا۔ ناکامی کا احساس کس طرح انسان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے 'وجود میں کیسی طوفانی لہریں چلتی ہیں اور وجود کس طرح تہس نہس ہو کر رہ جاتا ہے یہ وہ بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ اس کی نیا کنارے پر آکر ڈوب گئی تھی..... وہ لفٹ کے پاس آکر لفٹ کا انتظار کرنے لگا..... کچھ ہی دیر میں لفٹ آ پہنچی..... لفٹ سے اُترنے

والوں میں ٹیم کے کپتان وسیم باری بھی موجود تھے۔

"ہیلو قادر ہاؤ آر یو.... (کیسے ہو)" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولے۔

"ناٹ سو گڈ سر (اچھا نہیں ہوں)" قادر مرے مرے لہجے میں بولا۔

"وائی ناٹ.... کیوں بھئی.... ایسا کیا ہوگیا ہے۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔"

"سر جو کچھ آج ہوا ہے.... میں اپنی پرفارمنس پر بہت شرمندہ ہوں" قادر بمشکل بولا۔

"کیوں بھئی۔ واٹس رانگ ود یو (تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے).... پریشان مت ہو اور نہ ہی اچھے بھلے چہرے کو اتنا لٹکاؤ یو آر پلے'ینگ ان آل تھری ٹیسٹ (تم تینوں ٹیسٹ کھیل رہے ہو)" وہ اسے اداس دیکھ کر بولے۔ قادر ان کی بات سن کر اتنا خوش ہوا تھا کہ اس کے منہ سے کوئی جملہ بھی نہیں نکل پایا"اور تم یہ اپنی پرفارمنس کو بُرا بھلا کیوں کہہ رہے ہو میرے حساب سے تو تم بہت اچھا کھیلے۔ اب ایک فاسٹ وکٹ پر تم کیا کرسکتے تھے۔ تم ۵۰ اوورز کھیلے ہو اس حساب سے کتنی بالز ہوئیں؟"

"سر ۴۰۰" (اس وقت ایک اوور میں ۸ بالیں ہوا کرتی تھیں)

"اور تم نے صرف ۸۰ رنز دیے' ایک ایسی وکٹ پر جو اسپن بالر کے مقابل آئے ہوئے بیٹسمین کے لیے جنت سے کم نہیں ہے اس کا مطلب اچھی پرفارمنس ہوتا ہے۔"

"تھینک یو سر...." قادر کا چہرہ کھل اُٹھا۔

"اب تم جاؤ مگر فریش ہو کر واپس آنا...."

وسیم باری سے گفتگو کے بعد قادر کے دل کا سارا بوجھ اتر گیا تھا.... اسے اب اندازہ ہوا تھا کہ وہ زیادہ وکٹیں لینے میں کیوں کامیاب نہیں ہوسکا۔ وہ دور ہی فاسٹ بالرز کا تھا۔ اسپن بالنگ دنیا بھر میں دم توڑ رہی تھی اس لیے وکٹیں بھی فاسٹ بالنگ کے اعتبار سے ہی تیار کی جاتی تھیں۔ بہرحال وسیم باری کی یقین دہانی اور پھر ان سے بات چیت کے بعد قادر کا دل بڑا ہو گیا تھا مگر اس کے دوستوں نے اس سے وہی بات کی تھی جو وہ خود سوچ بیٹھا تھا۔ مسرور تو اس سے بہت ہی ناراض تھا۔

"او جا یار جا.... تُو نے نام ڈبو دیا.... تجھ سے کہا تھا کہ ہمت کرنا.... ایسی کیا بات تھی کہ تُو کھیل ہی نہ پایا...." وہ اسے اگلے روز جم خانہ گراؤنڈ میں صبح کی دوڑ کے دوران ملا تھا۔

"بس یار ہوگیا.... انشا اللہ اگلے ٹیسٹ میں کسر نکال دوں گا...." قادر ہانپتا ہوا بولا۔

"او رہنے دے.... اگلا میچ کھیلے گا تو کسر نکالے گا نا.... اب نہیں کھیل پائے گا تو...."

"ابے اتنا کڑوا کیوں ہو رہا ہے۔ کہہ تو رہا ہوں کہ اگلے میچ میں کسر نکال دوں گا۔ میری خود وسیم باری سے بات ہوئی تھی۔ انہوں نے خود کہا ہے کہ میں تینوں میچوں میں ہوں۔" قادر نے گویا اسے تسلی دی۔

"رہنے دے قادر.... جب تُو پہلے ٹیسٹ میں کچھ نہیں کرپایا تو دوسرے میں کیا کرلے گا۔ وہاں بھی تو یہی کھلاڑی ہوں گے۔"

"مسرور اب تُو کرکٹ کو اتنا تو سمجھتا ہے کہ یہاں کب کیا ہوجائے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ یہاں وکٹیں تیز رفتار بالنگ کے حساب سے بنی ہوئی تھیں پھر بھی میں نے انہیں زیادہ رنز تو نہیں دیے ورنہ ایسی وکٹوں پر پرسنا اور بیدی کو ظہیر عباس نے کتنا پیٹا تھا' بھول گئے۔"

"میں یہ سب نہیں جانتا۔ میرے حساب سے تجھے کم از کم چار وکٹیں لینا چاہئے تھیں اور تُو نے کیا کیا' ایک وکٹ.... سارے ارمانوں پر پانی پھیر دیا۔"

"اچھا چل اب بتا حیدر آباد والے ٹیسٹ میں کتنی وکٹیں لوں؟"

"تُو تو ایسے کہہ رہا ہے جیسے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے' میں کہہ دوں گا اور تُو لے لے گا۔"

"ارے تُو بول تو سہی یار۔" قادر زور دے کر بولا۔

"جب مجھے یقین ہی نہیں ہے تو کیا بولوں مگر اب کے تجھے کم از کم تین وکٹیں ضرور لینی چاہئیں۔" وہ آخر کار بولا۔

"چل ٹھیک ہے تین سے زیادہ لے کر دکھاؤں گا۔" قادر نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

اور پھر حیدر آباد ٹیسٹ میں قادر نے اپنی جادوگری دکھادی تھی۔ اسپن بالنگ کا فن اپنی تمام تر باریکی اور خوب صورت زاویوں کے ساتھ حیدر آباد کے اسٹیڈیم پر نظر آیا۔ قادر نے اس میچ میں چھ وکٹیں لے کر ٹیم میں اپنی موجودگی کو یقینی بنالیا تھا۔ اسی میچ میں ہائیکاٹ نے سنچری بنائی اور عبدالقادر کو پہلی بار مشتاق محمدؒ کا نیا روپ بلکہ اس سے بہتر اسپن بالر بھی قرار دیا گیا۔ ۴۴ رنز دے کر ایک فاسٹ بولنگ وکٹ پر چھ وکٹیں لے لینا ظاہر ہے کہ آسان نہیں تھا مگر قادر نے یہ کمال کر دکھایا۔ اس میچ میں اس نے دو کیچ بھی پکڑے اور تینوں ٹیسٹ میچوں میں ۳۶ رنز بھی بنائے۔ وہ عبدالقادر کی شام تھی۔ لوگوں کی داد میں کیا نشہ ہوتا ہے' چاہنے والوں کے کاندھوں پر سوار ان کی محبتوں کا لطف کس طرح دوبالا ہوجاتا ہے اس کا صحیح اندازہ اسے اسی دن ہوا۔ حیدر آباد اس کے لئے اجنبی شہر تھا مگر اس رات پورا حیدر آباد بلکہ پورا پاکستان اسے جان گیا تھا۔ کھیل کے بعد وہ اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا کہ آپریٹر نے اسے کسی مہمان کی آمد کی خبر دی۔

"میرا مہمان؟" وہ حیران ہو کر بولا "نام کیا بتایا انہوں نے؟"

"فاروق نام بتایا ہے' آپ کہیں تو منع کردوں سر۔" آپریٹر

مستعدی سے بولا۔
"نہیں میں دیکھ لیتا ہوں۔" وہ خود ہی نیچے اُتر کر آگیا۔ ہوٹل کی لابی میں پڑے صوفے پر ایک درمیانی عمر کا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ حلیئے سے اگر وہ غریب نہیں تو کچھ زیادہ بہتر بھی نہیں لگ رہا تھا۔
"میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" قادر اس کے قریب جا کر بولا۔
"بھلا آپ مجھے کیسے پہچانیں گے۔ میں کوئی مشہور شخصیت تھوڑی ہوں۔" وہ بہت جوش سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا "میں آپ سے ملنے آیا ہوں، دراصل سر۔ میری ماں بہت بوڑھی ہے وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے اگر آپ کے پاس وقت ہو تو اس سے مل لیں اور رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھالیں۔" وہ عاجزی سے بولا۔
"دیکھیے یہ مشکل ہے، کھانا تو مجھے یہیں کھانا پڑے گا اور اس وقت میں کہیں جا بھی نہیں سکتا۔"
"صرف ملنے چلے چلیئے وہ آپ کو بہت دعائیں دے گی۔"
"معاف کیجئے گا اس وقت میں بہت تھکا ہوا ہوں۔" قادر نے صاف انکار کردیا۔
"ٹھیک ہے" اس کے انکار سے اس شخص کا چہرہ بجھ بجھ سا گیا۔
"اچھا یوں کریں آپ کل آجائیں میں کل چلا چلوں گا۔" اس کا مایوس چہرہ دیکھ کر قادر بول اٹھا۔
"واقعی آپ چلیں گے۔ شکریہ بہت بہت شکریہ۔ ماں یہ سن کر بہت خوش ہوگی۔" وہ اس کا شکریہ ادا کرکے چلا گیا۔ اگلی شام میچ کے خاتمے پر تمام ٹیم میئر حیدر آباد کے عصرانے پر مدعو تھی۔ یوں قادر رات گئے ہوٹل پہنچ پایا۔ اسے فاروق کے بارے میں کچھ یاد بھی نہیں تھا مگر اسے لابی میں بیٹھا دیکھ کر وہ پریشان سا ہوگیا۔ ٹیم کو صبح کی فلائٹ سے واپس بھی جانا تھا یوں بھی اس وقت اسے کہیں جانے کے لئے منیجر سے اجازت لینا پڑتی پھر وہ خود کہیں جانا بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ بہرحال اسے اوپر جانے کے لئے اس کے سامنے سے گزرنا ہی تھا اس لئے وہ وہاں پہنچ گیا۔
"جناب میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کررہا تھا۔ آپ چلیں گے نا؟"
"دیکھیے مجھے علم نہیں تھا کہ ٹیم کو آج میئر کی طرف جانا ہے اب صبح تو ہمیں واپس جانا ہے اس لئے منیجر مجھے اس وقت کہیں جانے کی اجازت نہیں دے گا۔ میں آپ سے معذرت خواہ ہوں ہاں اگلی بار میں جب بھی حیدر آباد آؤں گا آپ کا مہمان ضرور بنوں گا۔"
"اوہ... مگر وہاں گھر پر تو سب ہی آپ کا انتظار کررہے تھے۔" فاروق مایوسی سے بولا۔
"مجھے افسوس ہے۔" قادر گویا بات ختم کرکے کھڑا ہوگیا۔ وہ اس سے ہاتھ ملا کر کمرے میں آگیا تھا مگر اسے اپنے وجود میں عجیب سی بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس شخص کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اس طرح اس کے ساتھ جانا بھی اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔
قادر اپنی پہلی ٹیسٹ سیریز سے مطمئن تھا۔ اس سیریز کی تینوں اننگوں میں وہ ۱۰ وکٹیں لے پایا تھا اور یہ اگر بہت ہی اچھا نہیں تو بہرحال بُرا ریکارڈ ہرگز نہیں تھا۔ ٹیم میں اس وقت اقبال قاسم بھی موجود تھے جو کہ لیگ اسپنر تھے۔ لاہور واپسی پر اسے ایک خوشخبری سُننے کو ملی۔
"ارے آگیا تُو..." اماں اسے دیکھ کر نہال ہوگئی تھیں "کیسا رہا سب کچھ ... تیرے ابّا نے کنٹری سنی تھی سنا ہے تیری بہت تعریفیں ہوئی ہیں۔"
"بس اماں یہ سب آپ کی دعائیں ہیں۔"
"یہاں بھی تیرے لئے ایک بہت اچھی خبر انتظار کررہی ہے۔" وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں۔
"کیا اماں؟"
"اللہ نے تجھے چاند سا بیٹا دیا ہے۔"
"کیا؟" قادر اٹھ کر بیٹھ گیا "کہاں ہے وہ؟ مینا کہاں ہے؟"
"اندر چل کمرے میں، دونوں وہیں ہیں۔" اماں اسے ساتھ لے کر کمرے کی طرف چل دیں جہاں مینا چند دن کے ننھے منے سے وجود کو بانہوں میں سمیٹے بیٹھی تھی۔
"ارے کتنا چھوٹا ہے یہ۔" قادر اسے دیکھ کر بے ساختہ بولا۔ مینا اس کی بات سن کر شرما گئی۔
"تو سب ہی اتنے چھوٹے ہوتے ہیں بے وقوف لڑکے، لے گود میں لے کر دیکھ۔"
قادر نے ننھے سے بیٹے کو گود میں لے لیا۔ ایک عجیب سے احساس نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ وہ ننھا سا گرم سا وجود گویا اس کی رگ رگ میں محبت کا کرنٹ دوڑا گیا تھا۔
"میں اس کا نام عمران رکھوں گا۔" قادر کچھ دیر بعد بولا۔
"مگر ابّا نے اس کا نام رکھ دیا ہے۔" مینا نے اسے بتایا۔
"اچھا! کیا نام رکھا ہے ابّا نے؟"
"رحمان... رحمان قادر۔"
"ماشاءاللہ بہت ہی اچھا نام ہے۔ اس کا نام رحمان ہی رہے گا، عمران پھر سہی۔" قادر خوشی سے بولا۔
"کتنا بے شرم ہوگیا ہے۔" اماں اسے چپت لگا کر ہنس پڑیں۔

○☆○

رحمان کے گھر میں آجانے سے گھر میں رونق سی بھر گئی تھی۔ ابا سے لے کر چھوٹے بھائیوں تک سب ہی جتنی دیر گھر میں رہتے رحمان کے ساتھ لگے رہتے۔ خود قادر کا اسے چھوڑ کر باہر جانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔
"میں سوچتا ہوں کہ لوگ سچ ہی کہتے ہیں کہ شادی دیر سے کرنی چاہئے۔" ایک روز وہ مینا سے کہہ ہی اٹھا۔

"کیا مطلب" مینا کے لہجے میں ہلکی سی ناراضگی تھی۔

"بھئی آدمی سیٹ ہوجائے پھر شادی کرے تو بچوں کو گھر کو وقت دے سکتا ہے۔ اب جی نہ بھی چاہے تب بھی گھر سے نکلنا ہی پڑتا ہے۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"یہ بات ہے۔" مینا ہنس پڑی۔

"تو تم کیا سمجھیں۔" قادر نے شرارت سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" وہ بات بدل کر بولی۔

۸۰-۱۹۷۹ء میں قادر کو پہلی بار پاکستان کے روایتی حریف بھارت کے خلاف کھیلنے کا موقع ملا۔ بھارت پاکستان میچ جہاں دیکھنے والوں کو جوش و جذبے سے بھر دیتا ہے وہیں کھلاڑیوں کے لئے بھی یہ ایک الگ ہی موقع ہوتا ہے۔ قادر نے بھی اس سیریز کے لئے بہت کچھ سوچ رکھا تھا مگر وہ اس پانچ میچوں کی سیریز میں صرف تین میچ ہی کھیل پایا تھا۔ وجہ ایک تو وہی پرانی تھی کہ ٹیم کو اس کی ضرورت یعنی ایک لیگ اسپنر کی ان تین میچوں میں ہی ضرورت تھی اور پھر وہ بھارت پہنچ کر بیمار بھی ہوگیا تھا۔ بیماری کی تفصیل کچھ یوں تھی کہ ساؤتھ انڈین ڈشز کی ایک دعوت میں قادر نے مسالا ڈوسا کھالیا تھا۔ وہ کھانے پینے کا کبھی بھی زیادہ شوقین نہیں رہا اور نئی اور مختلف ڈشز وہ ویسے بھی بمشکل ہی کھایا کرتا' اس کا پسندیدہ ترین کھانا ہمیشہ سے سالن اور چپاتی رہا تھا۔ اس روز سب کے اصرار پر اس نے مسالا ڈوسا کھا تو لیا تھا مگر نہ تو اسے اس کا ذائقہ پسند آیا تھا اور نہ ہی کھانے کے بعد اسے کچھ مزہ آیا تھا۔ شاید اس ناپسندیدگی کا احساس خود مسالا ڈوسا کو بھی ہوگیا تھا اس لئے اس نے انتقاماً قادر کو سخت پیٹ درد میں مبتلا کردیا تھا۔

"کیوں قادر یہ ہندوستانی انتقام کیسا لگ رہا ہے۔" عمران خان اس پر مسلسل چوٹیں کسے جارہا تھا۔

"یار کیوں مذاق اُڑاتے ہو۔ سچ یہ ہے کہ یہ دعوت مجھے بہت مہنگی پڑگئی ہے۔" قادر بمشکل بولا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں دیکھ لوں گا اس مسالا ڈوسا کو۔" جاوید بیٹ لہرا کر بولا۔

اس وقت پاکستانی ٹیم میں سب ہی بہت اچھے نام شامل تھے۔ آصف اقبال جیسا کھلاڑی ٹیم کا کپتان تھا۔ عمران خان بولنگ کی دنیا کا ستارہ بن رہے تھے۔ جاوید میاں داد مانے ہوئے بیٹسمین تھے پھر مدثر نذر' وسیم راجہ' سکندر بخت' ظہیر عباس غرضیکہ ناموں کی روشن قطار تھی مگر اس کے باوجود پاکستانی ٹیم یہ سیریز بری طرح ہار گئی۔ اس سیریز میں قادر کی پرفارمنس بھی کچھ زیادہ متاثر کن نہیں رہی تھی۔ وہ تین سو ساٹھ بالوں کے بعد صرف دو وکٹ حاصل کرپایا تھا۔ مدراس میں گواسکر نے قادر کی بالنگ پر خوب رنز بنائے تھے۔

وہیں ایک میچ میں قادر کو گراؤنڈ پر پہلی بار چوٹ بھی لگی۔ یوں تو انجری اور کھلاڑی کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے مگر یہ چوٹ کرکٹ انجری نہیں تھی۔ وہ باؤنڈری لائن کے ساتھ فیلڈنگ کررہا تھا۔ وینگ سارکر بیٹنگ کررہا تھا' قادر کی پوری توجہ گیند پر تھی یکدم اسے یوں لگا جیسے اس کی پیٹھ میں آگ سی لگ گئی ہو۔ وہ چند لمحے برداشت کرتا رہا پھر زمین پر بیٹھ گیا۔ امپائر نے کھیل روک دیا۔

"کیا ہوا قادر؟" آصف اقبال سب سے پہلے قادر کے پاس پہنچے۔

"پتا نہیں۔ میری پیٹھ پر کچھ لگا ہے۔" قادر نے جواب دیا۔

"دکھاؤ۔ اونو۔ فولش پیپل" آصف اقبال نے اس کی پیٹھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر ہاتھ بڑھا کر بوتل کا ٹکڑا قادر کی پیٹھ سے نکال دیا۔ تماشائیوں میں سے کسی جنونی نے غالباً کوئی بوتل گراؤنڈ میں پھینکی تھی جو ٹوٹی ہوئی تھی اس کا ایک ٹکڑا قادر کی پیٹھ میں لگ گیا تھا۔

"زخم ہے مگر خاص سیریس نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے اس کی ڈریسنگ کرتے ہوئے اسے تسلی دی۔

"یار کیسے کیسے لوگ کرکٹ دیکھنے آجاتے ہیں۔" گواسکر جو قادر کو باہر تک چھوڑنے آئے تھے اس سارے معاملے پر بہت شرمندہ لگ رہے تھے۔

انڈیا کا وہ دورہ تمام کا تمام ہی حادثاتی رہا تھا۔ دلّی میں وہ سب گراؤنڈ میں پریکٹس میں مصروف تھے یکدم ظہیر عباس زور سے چلّائے۔

"لے ڈاؤن.... لیٹ جاؤ... فوراً لیٹ جاؤ....." ان کے چیخنے پر سب بے طرح حیران تو ہوئے تھے مگر انہیں زمین پر گرتا دیکھ کر سب فوراً زمین پر گر ضرور گئے تھے اور اسی فوری فیصلے نے انہیں تکلیف سے بچائے رکھا تھا' ان کے نیچے گرتے ہی شہد کی مکھیوں کا ایک جھنڈ ان سب کے اوپر سے گزرا۔ اگر کوئی ایک بھی سوال جواب کے چکر میں کھڑا رہ جاتا تو یقیناً مکھیاں اس سے خوب اچھی طرح بازپرس کرتیں۔

اس ٹور کے دوران ہی ایک ایسا واقعہ بھی ہوا جو نتائج کے اعتبار سے اگرچہ سنگین نہیں تھا مگر آنے والے دنوں کی بہترین عکاسی ضرور کرتا تھا۔ اس زمانے میں آج کی طرح سیکیورٹی اتنی ٹائٹ نہیں رکھی جاتی تھی۔ ہوٹل میں جو کوئی ملنے آتا تھا کھلاڑی اس سے مل بھی لیتے تھے' اسے کمروں میں بُلوا بھی لیتے تھے۔ دلی میں قیام کے دوران پاکستانی ٹیم قدرے بددل ہوچکی تھی۔ ایک آصف اقبال تھے جو بد سے بدتر حالات میں مسکراتے رہتے یا پھر میانداد مذاق کرنے سے نہیں چوکتا تھا۔ اس شام میانداد کے کمرے میں چھ سات لوگ جمع تھے۔ دن بھر کے حالات پر' کھیل' امپائرنگ جنرل کراؤڈ دنیا کے ہر موضوع پر گفتگو ہورہی تھی کہ آپریٹر نے کسی مہمان کی آمد کی خبردی۔

"مہمان؟ کون ہے' نام پوچھ لیجیے۔" میانداد نے جواب دیا

"کیا! چودہ پندرہ سال کا بچہ ہے۔ اچھا یہ کیجئے کہ آپ اسے اوپر

میرے کمرے میں بھجوا دیجئے۔"

"کون ہے؟" مدثر نذر نے پوچھا۔

"کوئی بچّہ ہے آٹوگراف لینا چاہتا ہے۔ میں نے اسے بُلوالیا ہے۔ آپریٹر بتا رہا تھا کہ بے چارہ بہت دور سے آیا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ لڑکا کمرے میں آگیا اس کے ہاتھ میں آٹو گراف بک موجود تھی۔ عمران نے سب سے پہلے اس پر دستخط کرکے بک جاوید کی طرف بڑھا دی۔ اسی دوران وہ بچہ بجلی کی سی تیزی سے اپنے کپڑوں میں سے ایک خنجر نکال چکا تھا۔ اگر سب کی توجہ اس کی طرف نہ ہوتی تو وہ خنجر ظہیر عباس کے پہلو میں اُتر چکا ہوتا۔ قادر نے اسے قابو میں کرکے اس سے خنجر چھین لیا تھا۔

"ارے... ارے... کیا کررہا ہے تو۔" قادر نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ ہمارا خنجر واپس کرو۔" وہ چیخ رہا تھا۔

"مگر بھائی تمہاری مجھ سے دشمنی کیا ہے؟" ظہیر عباس نے اس سے پوچھا۔

"تم مسلا ہے مشہور مسلا... ہمارے کل گرو کے مطابق اگر ایک مسلا مار دیتا ہم تو سیدھا سورگ میں جاتا۔ تم نے ہم کو اس سے محروم کردیا۔" وہ مسلسل چلّا رہا تھا۔ اس کی بات سن کر ہم سب لمحے بھر کے لئے خاموش ہوگئے تھے۔ اسے کس طرح پولیس کے حوالے کیا گیا اور پھر کس طرح پولیس نے اسے لمحہ بھر میں پاگل قرار دے دیا یہ الگ داستان ہے۔

آج جو ہندوستان سے مسلمانوں کو نکال دینے کی باتیں ہورہی ہیں' بال ٹھاکرے مسلمان کھلاڑیوں کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دے رہا ہے یہ سب کچھ آج کے آج نہیں ہوگیا۔ ذہنوں کو تبدیل کرنے میں برسا برس لگ گئے ہیں اور آج ہندوستان میں ہزاروں بلکہ شاید لاکھوں ذہن ایسے ہوچکے ہیں جن میں یہ بات جم چکی ہے کہ ایک مسلمان کو مارنے والا سورگ کا حقدار ہوجاتا ہے۔

اس واقعے کے بعد سے وہ سب بہت محتاط ہوگئے تھے۔ منیجر کی طرف سے بھی کسی ان جانے شخص کو کمرے میں بُلانے کی ممانعت کا حکم آگیا تھا۔

انڈیا کے اس ٹور سے واپسی پر تقریباً تمام ہی کھلاڑی بہت مایوس تھے اگرچہ کہ وہ ٹیم ہیروز کی ٹیم تھی۔ بیٹنگ لائن شروع سے نیچے تک بہت اچھی تھی۔ بالرز میں بھی فاسٹ بولرز بھی موجود تھے اور اسپن بالنگ میں بھی کئی نام شامل تھے مگر اس کے باوجود ٹیم کی کارکردگی درحقیقت اچھی نہیں رہی ملکی اخبارات اور ذرائع ابلاغ کھلاڑیوں کو اس ہار کا ذمے دار ٹھہرا رہے تھے۔ ٹی وی پر خاکے بن رہے تھے جبکہ اخبارات مسلسل خبریں چھاپ رہے تھے۔ عوام بھی اپنے ہیروز سے سخت ناراض تھے ٹیم اس وقت بہت زیادہ دباؤ میں تھی یوں تو جب بھی کوئی مقابلہ ہوتا ہے اس میں ہار یا جیت دو متوقع نتائج سامنے ہوتے ہیں مگر بھارت سے ہار بہرحال پاکستانیوں کے لئے عزت کا معاملہ بن جاتی ہے شاید اسی وجہ سے عوامی ردِّعمل سخت تھا۔ ایک اچھی متوازن ٹیم کیوں ہار گئی۔ اس مد میں بہت کچھ لکھا اور کہا جاچکا ہے مگر بد انتظامی پرفارمنس کے مسائل اس کی وجہ بنے تھے۔ آصف اقبال بہت اچھے کھلاڑی رہے ہیں مگر وہ ٹیم کو کنٹرول کرنے میں قدرے ناکام رہے یہ ان کی بڑائی کا ثبوت ہی تھا کہ انہوں نے وطن واپس پہنچتے ہی اس شکست کی ذمّے داری تن تنہا قبول کرتے ہوئے کرکٹ کو چھوڑ دینے کا اعلان کردیا۔ اب وہ یہ بات پہلے ہی طے کرچکے تھے یا عوامی غصے اور ذرائع ابلاغ میں چھپنے اور آنے والی باتوں نے انہیں اس کے لئے مجبور کیا یہ کہنا مشکل ہے کیونکہ پورے ٹور اور پھر واپسی میں بھی انہوں نے کسی کھلاڑی کو اپنے اس ارادے سے آگاہ نہیں کیا تھا اور ائرپورٹ پر یہ دھماکا کردیا تھا بعد میں کئی کھلاڑیوں نے انہیں سمجھایا.... منانے کی کوشش بھی کی مگر وہ فیصلہ کرچکے تھے اس لئے انہوں نے کسی رائے کو اپنے فیصلے پر اثر انداز نہیں ہونے دیا۔ ٹیم اس وقت خاصی منتشر ہوچکی تھی بلکہ اگر صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو وہ ٹیم ہی نہیں تھی۔ بڑے نام ضرور موجود تھے مگر ہر ایک اس خیال میں مگن تھا کہ ٹیم کا اصل بوجھ اس کے کاندھوں پر ہے جبکہ اسے اس کی خدمات کے مطابق صلہ نہیں مل رہا ہے۔

اس صورت حال میں پاکستانی ٹیم نے ویسٹ انڈیز کے خلاف اپنی پانچویں سیریز کھیلی۔ تین ٹیسٹ میچوں کی یہ سیریز پاکستان میں ہی کھیلی گئی۔ ویسٹ انڈیز کے کپتان سی ایچ لائیڈ تھے جبکہ پاکستانی ٹیم کی قیادت جاوید میانداد کے حصے میں آئی۔

ویسٹ انڈیز کی ٹیم کے مقابل کھیلنا ہمیشہ ایک مختلف تجربہ ہوتا ہے۔ یوں تو دنیا کی ہر ٹیم میں اچھے کھلاڑی موجود ہوتے ہیں خصوصاً ۸۰ کی دہائی میں تو ہر ملک کی ٹیم' اسٹار ٹیم تھی مگر ویسٹ انڈین کھلاڑی جس جوش و جذبے سے کھیلتے ہیں وہ ان کے کھیل کو مختلف بنا دیتا ہے۔ قادر کا وہ ویسٹ انڈیز کے خلاف کھیلنے کا پہلا موقع تھا۔

اس سیریز میں قادر اور ویوین رچرڈز کے مابین تکرار ہوگئی تھی۔ ملتان کے ٹیسٹ میں رچرڈز نے ۱۲۰ رنز بنائے تھے۔ وہ بہت دیر تک کریز پر موجود رہا تھا اور بالرز کا ہر اٹیک تقریباً ناکام جارہا تھا۔ ساتھ ساتھ ویوین اپنی عادت کے مطابق جملے بھی کستا جارہا تھا۔ اس وقت تک قادر کی انگریزی کم از کم اس حد تک ضرور ٹھیک ہوگئی تھی کہ وہ اپنی بات سمجھا لیتا تھا۔ جبکہ انگلینڈ کے خلاف کھیلے گئے میچ میں تو اس نے انگریز کھلاڑیوں سے زیادہ بات چیت بھی نہیں کی تھی' وجہ انگریزی سے ناواقفیت تھی۔ ظاہر ہے کہ ایک ایف اے کے لڑکے کی اور وہ بھی جن حالات میں قادر نے پڑھا اور جن حالات میں اس نے زندگی گزاری تھی انگریزی صفر ہی ہونا تھی۔ مگر وہ سیکھنے کی پیدائشی صلاحیت سے مالا مال تھا لہٰذا اس نے بہت جلد شدبد بڑھانی شروع کردی تھی۔ بولنے میں وہ اب بھی ماٹھا

تھا مگر بہرحال اب وہ کام چلاؤ انگریزی ضرور سیکھ گیا تھا۔ تو بات ہو رہی تھی رچرڈز اور قادر کے جھگڑے کی۔ چائے کے وقفے سے چند لمحے پہلے رچرڈز کو قادر ہی بال کرا رہا تھا۔ وقفے پر پویلین میں جاتے ہوئے رچرڈز نے قادر کو کوئی اشارہ کیا جس پر وہ غصے میں لال پیلا ہو گیا۔

"قادر خود پر قابو پاؤ۔" میانداد اسے بمشکل گراؤنڈ سے سمجھا بجھا کر ڈریسنگ روم میں لایا۔

"وہ سمجھتا کیا ہے خود کو... میں اس کی ایسی کی تیسی کر دوں گا۔" جھگڑے میں کود پڑنے والا قادر یکدم بیدار ہو گیا تھا۔

"اس کی مذاق کی عادت ہے مگر وہ مذاق سہہ بھی لیتا ہے۔ تم بھی اس سے مذاق میں بدلہ لے لینا مگر اس وقت بگڑنا ٹیم کی بدنامی ہوگی وہ تو اسے جوک قرار دے کر صاف بچ جائے گا۔" میانداد اسے بڑی دیر تک سمجھاتا رہا تھا۔ وقفے کے بعد تک قادر کا غصہ کم ضرور ہو گیا تھا مگر ختم نہیں ہوا تھا۔ گراؤنڈ پر جاتے ہوئے وہ جان بوجھ کر رچرڈز کے ساتھ چلتا آیا۔

"یو آر اے ڈیم فول۔" (تم احمق ہو) اس نے رچرڈز کے ساتھ چلتے ہوئے بظاہر ہنس کر کہا۔

"آر یو شیور؟ (کیا تمہیں یقین ہے)" رچرڈز اپنے مخصوص انداز میں اسے گھور کر بولا پھر ہنس پڑا "تم پہلے آدمی ہو جس نے علی الاعلان یہ بات میرے منہ پر کہی ہے۔ تم تو اپنے قبیلے کے لگتے ہو (لیٹس بی فرینڈ) چلو دوستی کر لیں۔"

قادر تو اس سے ناراض تھا مگر اب اس آفر کے بعد وہ کچھ کہہ نہیں پایا اور دونوں گلے لگ گئے۔ رچرڈز سے قادر کی دوستی جو ایک جھگڑے سے شروع ہوئی تھی بعد میں ایک اچھی رفاقت میں بدل گئی۔

اسی سیریز میں لاہور کے میچ میں عمران خان نے ۱۲۳ رنز بنائے تھے جبکہ قادر نے ۸ وکٹیں لیں مگر ویسٹ انڈیز کے اس دورے کے بعد ہونے والے میچوں میں قادر کو ٹیم میں نہیں لیا گیا۔ کہا یہ گیا تھا کہ اس وقت ٹیم کو ایک اور اسپن بالر کی ضرورت نہیں ہے۔ بورڈ نے ایک مرحلے پر یہ بھی کہا کہ قادر فٹ نہیں ہے جبکہ اس دوران وہ فرسٹ کلاس میں مسلسل اسکور کر رہا تھا۔ وکٹیں لے رہا تھا مگر قومی ٹیم سے وہ اس کے باوجود باہر تھا۔ بورڈ کے رویے سے اسے یقین ہو چلا تھا کہ شاید اب اسے ٹیم میں لیا بھی نہ جائے۔ اس کی اپنی نہ کوئی لابی تھی اور نہ ہی وہ کسی کو اس طرح جانتا تھا کہ اپنے لئے کہلوا سکتا۔ ایسے میں عمران خان فرشتہ بن کر اس کی زندگی میں داخل ہوا۔ عمران کے ساتھ اس نے ساری سیریز کھیلی تھیں۔ وہ اس سے اچھی طرح ملتا بھی رہا تھا مگر اب تک وہ اس کا دوست نہیں بن سکا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس معاملے میں عمران ہی اس کی مدد کر سکتا ہے اس لئے اس نے عمران سے ملنے کی ٹھانی۔

"ہیلو قادر کیا حال ہے بھئی۔" عمران اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"عمران بھائی میں بہت اپ سیٹ ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ٹیم سے باہر ہوں۔"

"ہوتا ہے' ایسا ہوتا ہے مگر اس میں مایوسی کی کیا بات ہے۔"

"مایوسی کی بات یہ ہے کہ بورڈ مجھے بھول گیا ہے۔ پریس نہ جانے کیوں میرے خلاف ہے۔ میں کھیل سکتا ہوں' مجھ میں صلاحیت ہے مگر مجھے اس کا موقع تو ملے۔"

"میں جانتا ہوں۔ تم دنیا کے بہترین لیگ اسپنر بن سکتے ہو۔ اور تم کھیلو گے بھی۔ میں تم سے وعدہ کر رہا ہوں کہ میں تمہیں ٹیم میں لے لوں گا مگر تمہیں بھی خود کو ثابت کرنا ہوگا ایسا نہ ہو کہ اپنے ساتھ مجھے بھی مروا دو۔"

"میں صرف ایک موقع چاہتا ہوں عمران بھائی۔ اگر آپ میری مدد کریں۔" قادر کی آواز بھر آئی۔

"میں وعدہ کر چکا ہوں۔ میں تمہیں انگلینڈ کے ٹور پر لے جاؤں گا' میرے حساب سے تم وہاں اپنا کمال دکھا سکتے ہو اگر تم اچھا کھیلے تو تمہیں پھر ٹیم سے کوئی نہیں نکالے گا۔" عمران مضبوط لہجے میں بولا۔

پھر اس نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ انگلینڈ جانے والی اس ٹیم کے کپتان عمران خان تھے اور انہوں نے ٹیم میں عبدالقادر کو لے لیا تھا۔ حالانکہ بہت سے کھلاڑیوں... بورڈ کے ارکان کو عمران کے اس فیصلے سے اختلاف تھا۔ پریس تو خصوصاً نہ جانے کیوں قادر کے خلاف تھا۔ یوں اس وقت تک قادر کی کارکردگی اتنی زیادہ اچھی بھی نہیں تھی مگر عمران نے قادر کو لے کر یہ رسک لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ قادر کے ذہن میں ابھی بھی ائرپورٹ پر ایک صحافی کے سوال گونج رہے تھے۔

"قادر نے اب تک کوئی خاص کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کیا ہے تب بھی آپ نے قادر کو لے جانے کا فیصلہ کیا ہے' کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ آپ ان کی جگہ کسی بیٹسمین کو لے جاتے؟"

"دیکھیے آپ یہاں بیٹھ کر فیصلہ کرتے ہیں کہ کیا ہونا چاہئے اور کیا نہیں ہونا چاہئے جبکہ ہمیں گراؤنڈ پر جانا ہوتا ہے۔ وہاں کھیلنا ہوتا ہے اس لئے زیادہ بہتر فیصلہ ظاہر ہے کہ ایک کپتان ہی کر سکتا ہے کہ اس کے اسکواڈ میں کس کس کو شامل ہونا چاہئے آخر ائیک تو اسے ہی کرنا ہوتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگ قادر کے اتنے خلاف کیوں ہیں۔ وہ اچھا کھلاڑی ہے اور میرے خیال میں وہ بہترین لیگ اسپنر بن سکتا ہے پھر ہم اسے کیوں ضائع کر رہے ہیں' مجھے یقین ہے کہ وہ انگلینڈ کے خلاف ہمارا مؤثر ہتھیار ثابت ہوگا۔"

"اور اگر ایسا نہ ہو سکا.....؟"

"یہ آپ ابھی سے کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ یوں تو بڑے سے بڑا کھلاڑی بھی ان فٹ ہو جاتا ہے بہرحال مجھے یقین ہے کہ قادر

ہمارے لئے فائدہ مند ثابت ہوگا۔" عمران آگے بڑھتا ہوا بولا۔

○☆○

"قادر تم سوئے نہیں کیا؟" ایک ہاتھ نے اس کے کندھے کو ہلا کر گویا اسے ماضی سے حال میں کھینچ لیا۔

"اوہ ہاں بس نیند نہیں آئی۔" وہ مسکرانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

"یار سوچا کم کرو اور تمہیں معلوم ہے کہ اس لمبے سفر کے بعد ہمیں فوراً پریکٹس میں مصروف ہونا ہے' خود کو آرام دو۔" عمران خان کسمساتے ہوئے بولا۔

"بس اب میں سو ہی رہا ہوں۔" قادر نے جواب دیا مگر عمران اس کے جواب سے پہلے سو چکا تھا۔ طیارہ اپنا کافی سفر طے کرچکا تھا۔ منزل اب زیادہ دور نہیں تھی۔ طیارے میں ابھی نیند کی خاموشی طاری تھی۔ خاموش تو قادر بھی تھا مگر اس کے دل میں طوفان سا اُٹھ رہا تھا۔ اسے عروسِ کامیابی کو اس بار ہر قیمت پر حاصل کرنا تھا۔

○☆○

انگلینڈ پہنچتے ہی ٹیم پریکٹس میں مصروف ہوگئی تھی۔ عمران خان ڈسپلن کے معاملے میں کسی کا دوست نہیں تھا۔ یہ وہ سب جانتے تھے ذرا سی کوتاہی عمران کو درحقیقت خان بنادیتی اور پھر اس کے منہ سے جو پھول جھڑتے اس کی بازگشت دور دور تک جاتی۔ مگر پھر وہ دوستوں کا دوست بھی تھا یوں بھی کرکٹ میں وہ دور عمران کا دور تھا۔ ہر کھلاڑی ٹیم میں کھیلنا چاہتا تھا اور اس کے لئے عمران کی گڈ بک میں موجودگی لازمی نہیں تو ضروری بہرحال تھی۔

"ہمیں انگلینڈ کو اس کے ہوم گراؤنڈ پر ہرانا ہے۔" عمران یہ جملہ سیکڑوں بار دُہرا چکا تھا۔ یہ عزم یقیناً بہت آسان کام نہیں تھا مگر خان اسے حقیقت بنانے پر تُلا ہوا تھا۔ اس سیریز میں قادر درحقیقت عمران کا ہتھیار ثابت ہوا تھا۔ نپی تلی بالنگ... کم رن اوسط اور پھر اسپن بالنگ کی خوب صورت سحر کاری... خود انگریز قادر کی تعریفوں میں مضامین لکھ رہے تھے۔

لارڈز میں ہونے والا سیریز کا دوسرا ٹیسٹ میچ پاکستانی ٹیم کے لئے فتح کا پیغام لایا تھا۔

"ہمیں یہ میچ ہر قیمت پر جیتنا ہے۔" ۱۲ اگست کی قدرے ابر آلود صبح میں میچ سے قبل وارم اپ میں مصروف کھلاڑیوں کے کانوں میں عمران خان کی آواز گونج رہی تھی۔ عمران خود بھی قدرے ٹینس تھا۔

"قادر آج تمہیں اپنے فن کا مظاہرہ کرنا ہے۔ میں ان گوروں کو فاسٹ بالنگ اور اسپن دونوں گوشوں سے دبا کر رکھنا چاہتا ہوں اور اس کام میں تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔"

"میں جان لڑا دوں گا۔" قادر بھرپور عزم سے بولا۔

اس میچ میں صرف قادر نے ہی نہیں بلکہ پوری ٹیم نے جان

کرکٹ اور سیاست کے متوالوں کے لئے خوش خبری

عمران خان کی سرگزشت

ماہنامہ سرگزشت ورلڈ کپ کی سنسنی خیزی کے موقع پر عمران خان کا سوانحی انٹرویو ریکارڈ کر رہا ہے جسے انشاء اللہ آئندہ ماہ پیش کیا جائے گا۔

ساتھ ہی ملک کے معروف اسپورٹس صحافی اور کمنٹیٹر جناب منیر حسین کی سرگزشت بھی شائع کی جائے گی

اپنی کاپی آج ہی محفوظ کرالیجیے

ماہنامہ سرگزشت' ہمیشہ کام آنے والی اہم کتاب

لڑادی تھی۔ برسوں بعد پاکستانی ٹیم اپنے مخصوص انداز میں اُبھری اور ٹیم کی طرح کھیلی۔

"اوہ بیڈ لک" عمران ٹاس ہار گیا تھا۔ عام طور پر ٹاس جیت کر مخالف ٹیم کو ہی پہلے کھلایا جاتا ہے تاکہ پھر ہدف کو پورا کیا جائے۔ عمران خان ٹاس جیتنا چاہتا تھا مگر ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں تھا' یوں باب ولس نے پاکستانی ٹیم کو بیٹنگ کی دعوت دی۔

میدان میں جاتے ہوئے بھی کھلاڑیوں کے جذبے سے ہٹ کر خود انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ تاریخ لکھنے جارہے ہیں۔ اس میچ میں محسن حسن خان نے اپنے کیریئر کی واحد ڈبل سنچری بنائی۔ ظہیر

عباس نے پچھتر اور منصور اختر نے ۵۷ رنز بنائے اور یوں پاکستانی ٹیم کی پہلی اننگ کا اسکور ۴۲۸ تک جا پہنچا۔

انگلینڈ کی اننگ میں انہیں اس اسکور تک پہنچنے سے روکنے کے لئے سرفراز نواز اور عبدالقادر موجود تھے۔ عمران قدرے اَن فٹ تھا مگر سرفراز اور قادر نے بھرپور بالنگ کر کے اس احساس کو زائل کردیا تھا۔ خصوصاً قادر کی بالنگ نے انگریز بلے بازوں کو پریشان کردیا' یوں بھی اسپن بالنگ انگریزوں کی ہمیشہ سے کمزوری رہی ہے اور اسی کمزوری کے پیش نظر پاکستان نے انگلستان کے ہر ٹور میں ہمیشہ ایک لیگ اسپنر کو ساتھ رکھا ہے۔

"ویل ڈن قادر' انہیں اور باندھو۔" عمران ہر اوور کے بعد پوری فیلڈنگ بدل رہا تھا اور یوں پاکستانی ٹیم ۲۲۷ کے اسکور پر انگلینڈ کو آؤٹ کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

وہ شام پاکستانی ٹیم کے لئے بہت اطمینان اور خوشی لائی تھی۔

"آخر ہم نے انگلینڈ کو انگلینڈ میں فالو آن پر مجبور کر ہی دیا۔" عمران دونوں مکّے ہوا میں لہرا کر بولا۔

"ہم اب انہیں شکست بھی دیں گے۔" محسن حسن خان باقاعدہ گا کر بولا۔

"یقیناً۔ قادر تم بتاؤ دوسری اننگ میں یہ گورے کتنے رنز بنائیں گے۔"

"دوسو سے زیادہ نہیں بنا سکیں گے۔" قادر جذبے سے بولا۔

"اب ہم جیت سکیں یا نہیں مگر یہ بڑی بات ہے کہ ہم نے انہیں ان کی سرزمین پر فالو آن پر مجبور کردیا۔" یہ منصور اختر تھے۔

"نہیں ہمیں ہر قیمت پر جیتنا ہے اس سے اچھا موقع پھر کبھی بمشکل ہی ملے گا اب تو گراؤنڈ بن ہی چکا ہے تھوڑی سی محنت ہمیں ایک تاریخی فتح دلا سکتی ہے۔" عمران' منصور کو گھورتے ہوئے بولا۔

دوسری اننگ میں مدثر نذر نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور صرف ۳۲ رنز دے کر ۶ وکٹیں حاصل کرلیں۔ انگلینڈ کی ٹیم پوری کوشش کے باوجود ۲۷۶ رنز ہی بنا سکی۔ پاکستان کو جیتنے کے لئے صرف اور صرف ۷۶ رنز کی ضرورت تھی اور یہ رنز میانداد اور محسن خان نے بغیر کسی نقصان کے بنالئے۔

یوں عمران خان کا خواب پورا ہوگیا۔ ۲۸ برس بعد آخر کار پاکستان نے انگلستان کو انگلستان کی سرزمین پر شکست دے دی تھی اور شکست بھی معمولی نہیں بلکہ دس وکٹوں سے برطانیہ کو ہرادیا تھا۔ کھلاڑی خوشی سے پاگل ہو رہے تھے۔ مبارکبادیں اور ایک دوسرے کو گلے سے لگایا جارہا تھا۔

"آخر کار ہم جیت گئے۔" عمران قادر کے کندھے پر تھپکیاں مارتے ہوئے بولا۔ یہ عمران کی خاص عادت تھی اور شاباش دینے کا مخصوص طریقہ بھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔" میانداد اپنے بلّے کو کندھے پر رکھے دوسرے ہاتھ سے مُکّا لہراتے ہوئے بولا۔

"دم دما دم ہوگئی ہے۔" تماشائی جن میں پاکستانی اور ہندوستانی دونوں شامل تھے نعرے لگاتے ہوئے گراؤنڈ میں داخل ہوگئے اور انہوں نے کھلاڑیوں کو کندھوں پر اٹھالیا۔ فضا پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی تھی۔ ہر طرف رنگ ہی رنگ لہرا رہے تھے۔

یہ پاکستان کی انگلستان کے خلاف دوسری فتح تھی۔ پہلی بار پاکستانی کرکٹ ٹیم نے ۱۹۵۴ء میں انگلستان کا دورہ کیا اور اس سیریز کا آخری ٹیسٹ جو اوول میں کھیلا گیا تھا جیت لیا۔ اس وقت پاکستان کے کپتان عبدالحفیظ کاردار تھے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ میچ بھی ۱۲ اگست کو ہی شروع ہوا تھا۔

اس فتح نے جہاں نفسیاتی طور پر پاکستانی کھلاڑیوں کے مورال کو بلند کیا وہیں پاکستانی ٹیم کی ایک ساکھ بھی بنادی۔ عمران خان' میانداد' مدثر' ظہیر وغیرہ تو کرکٹ لورز کی جان تھے ہی اس میچ نے قادر اور محسن حسن خان کو بھی عالمی منظر نامے پر اُبھار دیا۔ خصوصاً قادر کی بالنگ نے انگریزوں کو ایک بار پھر پریشانی میں ڈال دیا۔ اس دورے میں قادر نے اپنی بولنگ اور ایکشن کی بدولت بڑی شہرت حاصل کی۔ اس سیریز میں قادر نے تین ٹیسٹ میچوں میں دس وکٹیں حاصل کیں جبکہ فرسٹ کلاس میچز میں مجموعی طور پر ۵۸ کھلاڑیوں کو آؤٹ کیا۔ انگلینڈ میں بطور خاص قادر کے ایکشن اور بولنگ کے ویڈیوز تیار کئے گئے تاکہ انہیں ریڈ کیا جاسکے اور ان کی گگلی کو سمجھا جاسکے۔

○☆○

انگلینڈ سے واپسی کے بعد قادر کی پوزیشن ٹیم میں اچھی خاصی مستحکم ہوگئی تھی۔ اس پر تنقید کرنے والے اب اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے مگر وہ خود اللہ تعالیٰ کے بعد کسی کا احسان مند تھا تو وہ عمران خان تھا۔ وہ اپنی تمام تر کامیابی میں اپنی محنت سے بڑھ کر عمران کا شکر گزار تھا کیونکہ اگر وہ کوشش نہ کرتا تو قادر کا ٹیم میں واپس آنا محال تھا۔

یہی وجہ تھی کہ جب اس کے ہاں دوسرے بیٹے نے جنم لیا تو اس نے اس کا نام عمران ہی رکھا۔

"بہت اچھا نام ہے۔ اللہ مبارک کرے۔" ابّا کو بھی یہ نام پسند آیا تھا۔

"اگر اللہ نے چاہا تو عمران قادر بڑا ہو کر کرکٹ میں بڑا نام کمائے گا۔" امّاں نے بڑی آرزو سے کہا۔

"نہیں امّاں رہنے دیں' بڑا کرکٹر بن گیا تو پھر اس سے بھی ملنا مشکل ہوجائے گا۔" مینا غصے میں بولی "گھر والوں کے لئے تو وقت ہی نہیں بچے گا اس کے پاس۔"

"ارے بہو ناراض ہے قادر تم سے۔" ابّا قادر کی طرف دیکھ کر بولے۔

"میں بھی کیا کروں ابّا۔ یہی وقت ہے خود کو منوانے کا۔ کچھ

کر کے دکھانے کا۔ اپنے حالات سنوارنے کا۔ اگر میں گھر بیٹھ گیا تو ان بچوں کا کیا ہو گا۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" سب کے جانے کے بعد مینا نے قادر سے کہا۔

"پھر کیا مطلب ہے۔ تم جانتی ہو کہ مجھے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے اب بڑی مشکل سے اللہ کے کرم اور عمران کی وجہ سے واپس آیا ہوں میں۔ اگر اب ذرا بھی کوتاہی ہوئی میری طرف سے تو وہ پھر مجھے اٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔ پھر تم ایک کرکٹر کی بیوی ہو تمہیں اس بات کی عادت ڈالنا ہو گی۔" وہ قدرے برہمی سے بولا۔

"اچھا ناراض مت ہوں۔ میں تو بس ایسے ہی....." مینا بات ختم کر کے بولی۔

اس عرصے میں قادر نے اپنا مکان خاصا بنوالیا تھا اب وہاں کئی کمروں کا مکان وجود میں آچکا تھا۔ اور قادر اس علاقے میں کوئی بڑا پلاٹ خریدنا چاہتا تھا مگر ابھی اس کے وسائل اس بات کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔

بہرحال زندگی کے پیچ میں وقت کی گیندیں پڑ رہی تھیں اور غیر محسوس طور پر ہر لمحہ کھیل تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ ۸۳، ۸۲ میں آسٹریلیا کے خلاف کھیلے جانے والے میچز میں قادر نے اپنی کارکردگی برقرار رکھی تھی۔ اس پانچ میچوں کی سیریز میں قادر کے حصے میں ۲۲ وکٹیں آئی تھیں اور اس کی بہترین کارکردگی ۱۴۲ رنز کے عوض سات وکٹیں تھیں۔ وہ اب گگلی میں نت نئے انداز اپنا رہا تھا۔ دونوں اینڈ سے بازو گھما کر اور کان کے پیچھے سے گیند پھینکنے کی جدت میں وہ کامیاب رہا تھا۔ اس کی گگلی اس کی پہچان بن گئی تھی وہ جہاں سے گزرتا لوگ اسے دیکھ کر اس کے ایکشن کی نقل کرنے لگتے۔ فرسٹ کلاس میں اس کی کارکردگی اچھی جا رہی تھی۔ وہ بھرپور فارم میں تھا۔ ان ہی دنوں وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ مارکیٹ گیا ہوا تھا۔ جمشید نامی اس دوست کی شادی ہونے والی تھی اور وہ اس کے لئے زیورات دیکھنے نکلا تھا۔ جیولر کی دکان میں قدم رکھتے ہی قادر کو ایک پرانا قرضہ یاد آگیا۔ اماں کی بیماری پر جہاں اس کے دوستوں نے اس کی مدد کی تھی وہیں مینا کے جھمکے بھی اس کے قرض کی نذر ہو گئے تھے بعد میں مینا نے زیور بنوالیا تھا مگر قادر خود اسے خرید کر کچھ نہیں دے سکا تھا۔

"آپ کے پاس جھمکوں کا کوئی خوب صورت ڈیزائن ہے؟" اس نے جمشید کے کچھ کہنے سے پہلے جیولر سے پوچھا۔

"جی سر ہے۔ آپ..... آپ عبدالقادر ہیں نا بالر عبدالقادر۔" نوجوان سیلزمین اسے دیکھ کر بوکھلا رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں دکان کا مالک بھی باہر نکل آیا۔

"آیئے جناب پسند کیجئے۔" مالک کے کمرے میں بہت سے جھمکے دیکھنے کے بعد قادر کو ایک ڈیزائن پسند آگیا تھا۔ اتنی دیر میں جمشید نے بھی دو سیٹ لے لئے تھے۔

"اس کا بل الگ بنا دیجئے۔" قادر نے کہا۔

"سر ایک عرض کرنی ہے۔"

"بولیے۔"

"یہ جھمکے میری طرف سے تحفہ ہیں۔" دکان کا مالک بولا۔

"کیوں۔ میں یہ خریدنے آیا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے مگر میں آپ کا فین ہوں۔ آج آپ سے ملاقات بھی ہو گئی۔" وہ خوش ہو کر بولا۔

"وہ سب ٹھیک ہے مگر یہ آپ کا کاروبار ہے۔ کام کام ہوتا ہے۔" قادر نے اسے سمجھایا۔

"کام تو ہوتا ہی رہتا ہے سر، آپ کون سا روز آتے ہیں۔ پہلی بار مجھ سے تحفہ لے لیں۔" قادر نے بہت کوشش کی مگر طفیل صاحب اس بات پر تیار نہیں ہوئے اور شرمندہ شرمندہ قادر کو جھمکے قبول کرنا ہی پڑے۔

گھر پہنچ کر اس نے مینا کے ہاتھ پر ڈبا رکھ دیا۔

"یہ..... یہ کیا ہے؟"

"قرضہ....." قادر نے جواب دیا "کھول کر تو دیکھو۔"

"اوہ، یہ بہت خوب صورت ہیں۔ بہت اچھے ہیں اور میرے ہیں؟"

"نہیں میں کان چھدوانے والا ہوں۔" قادر ہنس کر بولا "اچھے لگے ہیں تو پہن کر دکھا دو۔"

جھمکے سب ہی کو بہت پسند آئے تھے۔

"اب انہیں پہنے رہنا۔" قادر نے اس سے کہا۔

"یہ اتنے بڑے جھمکے۔ اور وہ جو آپ کے نئے کرکٹر ہیں نا وہ لپک لپک کر انہیں کھینچتے رہیں گے۔" مینا کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی "چند ہی دنوں میں نہ تو جھمکے رہیں گے نہ میرے کان۔" وہ زور سے ہنسی تو قادر اسے دیکھتا رہ گیا۔ رحمان اور عمران کے بعد مینا کے معمول میں بہت فرق آگیا تھا۔ اب اس کا زیادہ تر وقت بچوں کے ساتھ گزرتا تھا۔ کبھی کبھی تو قادر اس بات سے چڑ بھی جاتا تھا مگر مینا کی سب سے اچھی عادت قادر کے غصے کا جواب نہ دینے کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ شادی کے اتنے سالوں میں ان میں کبھی کوئی باقاعدہ جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ جھگڑا تو یوں بھی دو پارٹیوں کے مابین ہوتا ہے جبکہ قادر کو غصے میں دیکھ کر مینا رضاکارانہ طور پر الگ ہو جاتی اس کی خاموشی بات کو بڑھنے نہیں دیتی۔ وقت کا کام آگے بڑھنا ہے گزرتے ہوئے دن نت نئے چیلنج لے کر آتے ہی ہیں۔ قادر کی نظریں اب کرکٹ کے تیسرے عالمی دنگل یعنی ورلڈ کپ پر لگی ہوئی تھیں۔ ۸۳ کا ورلڈ کپ ہر لحاظ سے بہت مشکل ٹارگٹ تھا مگر پاکستانی ٹیم بہرحال فیورٹ ضرور تھی۔ بلکہ آسٹریلیا اور ویسٹ انڈیز کے بعد پاکستان ہی ہارٹ فیورٹ تھی۔ بھارت یوں بھی اسی سال پاکستان سے سیریز بری طرح ہار چکا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ پاکستان نے بھارت کو ایک سیریز کے تین ٹیسٹ میچوں میں ہرایا مگر اس

جیت کا فائدہ بہرحال بھارت کو ہی ہوا۔ بھارتی بیٹسمین فاسٹ بولنگ کو کھیلنے کے عادی ہوئے اور انہوں نے ورلڈ کپ میں ویسٹ انڈیز بولنگ کے پرخچے اُڑا دیے۔ ورلڈ کپ جانے والی ٹیم کے کپتان عمران خان ہی تھے مگر وہ بھارت سے سیریز کے دوران زخمی ہوچکے تھے اور فریکچر کی وجہ سے بولنگ کرانے کے قابل نہیں تھے۔ قادر کے لئے یہ ورلڈ کپ میں شرکت کا پہلا موقع تھا۔ اس بار بھی اس کا سلیکشن مسئلوں کا شکار رہا تھا۔

ورلڈ کپ ایک بہت مشکل ٹارگٹ تھا مگر اس کے باوجود ٹیم کے حوصلے بلند تھے اس وقت عالمی چیمپئن ویسٹ انڈیز تھا اور اس کی ٹیم بہت طاقتور تھی۔ گرینج اور ہینز کی اوپنگ جوڑی۔ رچرڈز' لائیڈ اور گومز پر مشتمل ایک مضبوط بیٹنگ لائن پھر رابرٹس' مارشل' ہولڈنگ اور گارنر جیسے چار بہترین فاسٹ بولرز جو کسی بھی ٹیم کو برباد کرسکتے تھے۔ انگلینڈ کی ٹیم میں گیٹنگ' گاور' بوتھم اور لیمب وغیرہ فاسٹ بولنگ پر اسکور کرسکتے تھے۔ آسٹریلیا کی ٹیم میں کیپلر.. کم ہیوز' اور ہکس بہترین شاٹ کھیل رہے تھے۔ بھارت کی ٹیم بہت بہتر ہوچکی تھی۔ انڈین ٹیم میں آل راؤنڈرز کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ روی شاستری' مدن لال' راجر بنی' مہندر امرناتھ اور کپتان کپل دیو وغیرہ موجود تھے۔

۱۹۸۳ء کے ورلڈ کپ مقابلے انگلینڈ میں ہونے والے تیسرے ورلڈ کپ مقابلے تھے یوں میزبان ملک کی حیثیت سے یہ انگلینڈ کی ہیٹ ٹرک تھی۔ یہ ورلڈ کپ اس لحاظ سے بھی یادگار تھا کہ اس کے بعد یہ مقابلے کسی اور ملک میں ہونے تھے اور اس کی میزبانی کے لئے باقاعدہ بڈ طلب کی گئی تھی جسے بھارت اور پاکستان نے مشترکہ طور پر جیت لیا تھا۔

پاکستان نے اپنا پہلا میچ سری لنکا کے خلاف کھیلا تھا۔ اس میچ میں پاکستان کی بیٹنگ لائن بہت مضبوط نظر آئی۔ سوانسی کے مقام پر ہونے والے اس میچ میں پاکستان نے ۵ وکٹوں کے نقصان پر ۳۳۸ رنز بنائے تھے۔ ۶۰ اوورز کی اس اننگ میں محسن خان نے ۸۲' ظہیر عباس ۸۲' جاوید میانداد نے ۷۲ اور عمران خان ۵۶ ناٹ آؤٹ رہے تھے۔ جواب میں سری لنکا ۹ وکٹوں کے نقصان پر ۲۸۸ بنا پایا تھا یوں پاکستان یہ میچ جیت گیا تھا اور محسن خان اپنے پہلے ورلڈ کپ کے پہلے میچ میں مین آف دی میچ بن گئے تھے۔ قادر اس میچ میں شامل نہیں تھا مگر گیارہ جون کو نیوزی لینڈ کے خلاف برمنگھم میں ہونے والے میچ میں قادر نے بھرپور کامیابی حاصل کی۔

اس صبح گراؤنڈ میں جانے سے پہلے ہی قادر کو یقین تھا کہ وہ آج اچھا کھیلے گا۔ رات اس نے خواب میں اماں کو دیکھا تھا جو مصلے پر بیٹھی اس کی کامیابی کے لئے دعا کررہی تھیں اسے یقین ہوچلا تھا کہ آج اسے ضرور کامیابی حاصل ہوگی۔

میچ میں ٹاس پاکستان نے جیت کر نیوزی لینڈ کو بیٹنگ کی دعوت دی اور نیوزی لینڈ مقررہ وقت میں ۲۳۸ رنز بنانے میں کامیاب ہوا تھا۔ جبکہ اس کے نو کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے۔ قادر نے اس میچ میں ۲۱ رنز دے کر ۴ کھلاڑی آؤٹ کئے تھے اور بیٹنگ میں ۴۱ رنز بھی بنائے تھے جو اس میچ کا سب سے بڑا انفرادی اسکور بھی تھا مگر نیوزی لینڈ کے کھلاڑیوں کی بالنگ کے ساتھ پاکستانی بیٹنگ لائن جم نہ سکی اور نیوزی لینڈ کو پاکستان پر ۵۲ رنز کی سبقت رہی۔ مگر اس میچ میں عبدالقادر مین آف دی میچ قرار پائے۔

قادر کے لئے یہ ایک بڑا موقع تھا مگر عمران خان کو میچ نہ جیتنے کا بہت افسوس تھا۔

"مگر عمران جیت ہمیشہ ہماری ہی تو نہیں ہوسکتی۔" قادر عمران کو سمجھاتے ہوئے بولا۔

"ہونی چاہئے تھی مگر موسم نے بھی ہمارا ساتھ نہ دیا ذرا سوچو پوری ٹیم ۱۸۶ رنز پر آؤٹ ہوگئی۔" عمران نارضگی سے بولا "ہمارے کھلاڑی دیگر مصروفیات میں اتنے محو ہوجاتے ہیں کہ اصل مقصد بھول ہی جاتے ہیں۔"

ورلڈ کپ کے تیسرے میچ میں انگلینڈ نے پاکستان کو ۸ وکٹوں سے ہرادیا تھا۔ اس میچ میں ظہیر عباس ۸۳ رنز بناکر ناٹ آؤٹ رہے تھے اور مین آف دی میچ قرار پائے تھے۔ چوتھے میچ میں البتہ پاکستان نے سری لنکا کو ۱۱ رنز سے ہرادیا تھا اس میچ میں عمران نے اپنی انجری کے باوجود ۱۰۲ رنز بنائے تھے جبکہ قادر نے ۴۴ رنز دے کر ۵ کھلاڑی آؤٹ کئے تھے۔ اس میچ میں عبدالقادر دوسری بار مین آف دی میچ بنے تھے۔

اس رات قادر نے پاکستانی ٹیم کی دعوت کی تھی مگر عمران خان اس دعوت میں شریک نہیں ہوسکے تھے۔ تھوڑی سی بدمزگی اس وقت مزید ہوگئی تھی جب قادر نے خود بھی دعوت میں کھانا نہیں کھایا۔

"یہ کیا بات ہوئی کہ میزبان خود کھانا نہ کھائے۔" سرفراز نواز اس بات پر قدرے ناراض تھے۔

"ہاں بھئی قادر یہ ہے تو زیادتی ہی۔" ظہیر عباس بولے۔

"آخر وجہ کیا ہے؟" میانداد نے پوچھا۔

"بھئی یہ واپس جاکر عمران کے ساتھ ہی کھانا کھائیں گے۔" سرفراز نے ہنسی اُڑائی۔

"یہ بات نہیں ہے دراصل عمران کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے وہ یوں بھی اکیلا کھائے گا تو میں اس کے لئے کھانا لے جاؤں گا۔"

"تو یوں کہو نا معاملہ نمبروں کا ہے۔" محسن نے مذاقاً کہا۔

"کیا کہا' کیا کسی کا خیال رکھنا خوشامد ہے۔ یاد رکھو میں نے کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی۔ میں اللہ کے سوا کسی سے مانگنے کا قائل نہیں ہوں۔" قادر یکدم بگڑ گیا۔

"اور اس کے سوا تم مذاق سمجھنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے۔" محسن یہ کہہ کر کھڑا ہوگیا۔

"ارے محسن بیٹھو۔ قادر تم زیادہ جذباتی ہو جاتے ہو۔" میانداد نے بیچ بچاؤ کی کوشش کی۔

"نہیں بات تو ٹھیک ہے۔ کیا ہم لوگ اس کے مہمان نہیں ہیں پھر ہمیں چھوڑ کر کسی ایک کے ساتھ کھانا کھانا کہاں تک درست ہے یہ تو ویسے بھی ہماری بے عزتی ہے۔" سرفراز بولا۔

"ارے دوستوں میں کیا بے عزتی۔ یار بات کو بڑھاؤ مت۔" معاملے کی سنجیدگی کو بھانپ کر ظہیر عباس نے بات بنانے کی کوشش کی مگر محسن اور سرفراز غصے میں آگئے تھے یوں وہ سب ہی کھانا کھائے بغیر ہی واپس آگئے۔ قادر کا موڈ بہت زیادہ آف تھا۔

"ارے تم لوگ بڑی جلدی آگئے، کچھ کھایا بھی یا نہیں۔" عمران اپنے فزیو تھراپسٹ کے پاس سے اسی وقت واپس آیا تھا۔

"تم سناؤ کہیں تم نے تو کھانا نہیں کھالیا۔" سرفراز نواز آنکھ دبا کر بولا۔

"ناؤ اٹ از ٹو مچ۔ میں اتنی دیر سے اس لئے برداشت کر رہا تھا کہ تم میرے مہمان تھے مگر اب میں کسی کی ایک نہیں سنوں گا۔" قادر بپھر گیا۔

"ہوا کیا ہے؟" عمران دونوں کو گھور کر بولا "فی الحال تم دونوں چپ رہو اور آپ سب میرے کمرے میں چلیں۔"

"تو یہ معاملہ ہے" عمران سارا معاملہ سمجھ کر بولا "کیا ہم بچے بن گئے ہیں جو ایسی معمولی باتوں پر جھگڑ رہے ہیں۔ اب آپ میرے ساتھ یہاں میرے کمرے میں کھانا کھائیں گے۔ قادر، سرفراز لیٹس بی فرینڈ یار۔ ہمیں ابھی بہت سی ٹیموں سے نمٹنا ہے ایسے میں یہ بے کار کے جھگڑے ہمیں صرف الجھائیں گے ہی۔" یوں عمران نے بات رفع دفع کردی تھی مگر بعد میں اس نے قادر کو الگ سے سمجھا ضرور دیا تھا۔

"سرفراز کے منہ مت لگا کرو۔"

اگلا میچ انگلینڈ سے ہوا جو پاکستان نہ جیت سکا۔ اس میں قادر نے بھی کوئی نمایاں کارکردگی نہیں دکھائی لیکن ابھی پاکستان کے سیمی فائنل میں پہنچنے کا امکان باقی تھا۔

پاکستان کا اگلا پول میچ نیوزی لینڈ کے خلاف تھا۔ یہ اہم میچ پاکستان نے ۱۱ رنز سے جیت لیا تھا اس میچ میں عمران خان مین آف دی میچ رہے تھے جبکہ ظہیر عباس نے ۱۰۳ ناٹ آؤٹ رنز بنائے تھے یوں پاکستان سیمی فائنل میں جا پہنچا تھا۔ اس کا مقابلہ ویسٹ انڈیز سے تھا جو اس وقت عالمی چیمپئن بھی تھی۔ میانداد کو سیمی فائنل سے ایک روز پہلے سے ہی شدید بخار تھا اور وہ گراؤنڈ میں جانے کے قابل نہیں تھا۔ عمران اپنے فریکچر کی بنا پر بالنگ نہیں کرا سکتے تھے یوں پاکستانی ٹیم میچ شروع ہونے سے پہلے ہی اپنے دو مضبوط کونے کھو چکی تھی۔ جبکہ مقابلہ کالی آندھی سے تھا جس کی وجہ سے ٹیم کا مورال بھی گرا ہوا تھا۔

"یہ میچ ہمارے لئے مشکل ہوگا۔" میچ سے پہلے سرفراز نے کہا۔

"ہاں مگر ہمیں مقابلہ تو کرنا ہے بعض اوقات ناممکن کام بھی تو ہو ہی جاتے ہیں۔" عمران نے کہا مگر اس کا لہجہ اتنا مضبوط نہیں تھا۔

"اگر ہم یہ سیمی فائنل جیت جائیں تو پھر تو صرف فائنل رہ جائے گا۔" مدثر نذر ایکسرسائز کرتے ہوئے بولے۔

"ہاں مگر اس کے لئے سیمی فائنل جیتنا ہوگا۔" محسن حسن خان نے کہا۔

"بوائز ہمت جوان رکھو اور کسی چیز کے بارے میں پہلے سے کچھ طے کر لینا آدھی شکست ہوتا ہے، ہوسکتا ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ ہم ویسٹ انڈیز کو مار گرائیں لہٰذا ہمت رکھو۔" عمران دوڑتا ہوا بولا۔

پاکستان کی بیٹنگ لائن میں ظہیر عباس، وسیم راجہ، محسن حسن خان اور مدثر نذر جیسے بیٹسمین تھے لیکن پاکستان کا بولنگ اسکواڈ اس میچ میں کمزور رہا۔ طاہر نقاش، راشد خان، شاہد محبوب اور مدثر نذر ظاہر ہے کہ بولنگ کے میدان میں اتنے مضبوط نام نہیں تھے۔ قادر کی سحر کاری اپنی جگہ مگر سارے میچ صرف قادر پر نہیں جیتے جاسکتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ورلڈ کپ میں قادر کامیاب ترین اسپنرز رہے تھے اور ان کی کامیابی کے بعد ہی ون ڈے کرکٹ میں اسپنرز کو دوبارہ لیا جانے لگا تھا۔ ویسٹ انڈیز نے یہ میچ ۸ وکٹوں سے جیت لیا تھا۔ اور یوں پاکستان ٹورنامنٹ سے باہر ہوگیا مگر اس بار ویسٹ انڈیز بھی کپ حاصل نہیں کر سکی تھی۔ حیرت انگیز طور پر بھارت جو کہ فیورٹ ٹیم بھی نہیں تھا فائنل جیت گیا تھا۔ ویسٹ انڈیز کے کپتان اور کھلاڑیوں کو یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ بھارت سے فائنل ہار گئے ہیں۔

۸۳ء کے ورلڈ کپ کے بعد قادر کی شناخت بین الاقوامی بنیادوں پر ہوگئی تھی اس کی گگلی کچھ اس طرح مشہور ہوئی تھی کہ لوگ قادر کو ہی گگلی کا موجد سمجھنے لگے تھے حالانکہ اسپن بالنگ میں گگلی بہت پرانی چیز ہے۔ یہ اور بات ہے کہ قادر نے اس فن کو اتنی ورائٹی دی کہ جس کے بارے میں پہلے سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔

ورلڈ کپ کے بعد ہی قادر کو پہلی بار کاؤنٹی کی جانب سے کھیلنے کی آفر ہوئی۔

"نہیں۔ میں کاؤنٹی نہیں کھیلوں گا۔" اس کے صاف انکار پر جہاں کاؤنٹی کے نمائندے جیمز بیری کو حیرت ہوئی تھی وہیں اس کے ساتھی بھی حیران تھے۔

"مگر کیوں؟ تقریباً ہر اچھا کھلاڑی کاؤنٹی کھیلتا ہے بلکہ کھیلنا چاہتا ہے۔"

"مگر میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں۔" قادر نے بات ختم کردی۔ اس وقت تو معاملہ ختم ہوگیا تھا مگر وسیم حسن راجہ نے بعد

میں اس بارے میں قادر سے بات کرنے کی ٹھانی۔

"آخر تم کاؤنٹی کے لئے تیار کیوں نہیں ہوئے؟"

"یار اس طرح میری پریکٹس کا نقصان ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں وہاں جن کھلاڑیوں کے ساتھ کھیلوں گا انہیں مجھے کھیلنے کی عادت ہوجائے گی اور اس سے ملک کو نقصان ہوگا۔"

"یہ کیا بات ہوئی! تمہارا مطلب ہے کہ جو دوسرے کھلاڑی کاؤنٹی کھیل رہے ہیں وہ ملک کا نقصان کررہے ہیں؟" راجہ نے تیکھے تیوروں سے پوچھا۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے بس یہ میری سوچ ہے۔" قادر نے جواب دیا۔

۸۳ء کا اختتام قادر کے لئے ایک مقدس تحفہ لایا تھا۔

"قادر! کویت میں بینک کویت بحرین ایکسچینج کے ساتھ ایک مشترکہ میچ رکھ رہا ہے۔ تمہیں بھی وہاں جانا ہوگا۔" حبیب بینک کے اسپورٹس ڈویژن کے اخلاق صاحب کی یہ اطلاع اس کے لئے نئی تھی۔ گزشتہ کئی روز سے زلزلہ صاحب کے پیغامات جو کہ بحرین کویت ایکسچینج کے مالک تھے... قادر کو مل رہے تھے مگر وہ کویت جانا نہیں چاہتا تھا۔

"سر کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اس ٹور پر نہ جاؤں۔"

"کیوں بھئی کیوں نہیں جانا چاہتے؟"

"کچھ گھریلو مسائل ہیں۔"

"کوشش تو کرو۔" انہوں نے اسے حوصلہ دیا۔

اسی رات زلزلہ صاحب کے اسسٹنٹ ارشاد صاحب نے قادر کو فون کردیا۔

"قادر صاحب آپ کویت آرہے ہیں نا؟" ان کا پہلا سوال یہی تھا۔

"دیکھیے میں کوشش کررہا ہوں۔" قادر نے گول مول جواب دیا۔

"دراصل زلزلہ صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں ان کی خواہش ہے کہ آپ اس میں ضرور تشریف لائیں۔"

"میں جی پوری کوشش کررہا ہوں۔"

اس وقت قادر اپنے مکان کو بنوا رہا تھا' ساتھ ہی اسے دھرم پورہ میں ہی مین روڈ پر بڑی جگہ بھی مل گئی تھی مگر ابھی وہاں مکان بنوانے کے لئے زیادہ وسائل درکار تھے اس وقت تک قادر کا گھر بہرحال اپنی ہیئت میں تبدیل ہوچکا تھا۔ گھر میں آسائش کی ہر چیز موجود تھی ٹیلی فون لگ چکے تھے غرضیکہ قادر کو زندگی سے کسی حد تک وہ سب کچھ مل چکا تھا جس کی اس نے کبھی تمنا کی تھی۔

دوسرے روز بینک کے صدر نے اسے براہ راست ٹیلی فون پر کویت ضرور جانے کے لئے کہا۔

"قادر بوائے' زلزلہ میرا اچھا دوست ہے' میری ذاتی خواہش ہے کہ تم اس کے بلاوے پر چلے جاؤ۔" اس کے بعد قادر کے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی لہٰذا اسے مجبوراً کویت جانا ہی پڑا۔ کویت میں بینک کی ٹیم پہلے ہی موجود تھی۔

"بہت اچھا ہوا کہ تم آگئے۔" اس کے ایک ساتھی نے کہا۔

"آنا ہی پڑا۔" قادر نے جواب دیا۔

"یوں کہہ رہے ہو جیسے آکر افسوس ہوا ہو۔" امیرالٰہی نے پوچھا۔

"کچھ ایسا ہی ہے دراصل میرے گھر پر کام تھا مگر جب صدر صاحب نے خود کہا تو پھر..." قادر نے کندھے اچکائے۔

"تمہیں نہیں معلوم کہ یہاں آکر کتنا فائدہ ہوگا۔" ایک اور ساتھی بولا۔

"کیا فائدہ۔ کیسا فائدہ؟"

"تمہیں ایک اتنا بڑا انعام دیا جارہا ہے کہ تم اس کا شکریہ بھی ادا نہیں کرپاؤ گے۔" ظفر نے کہا۔

"انعامات بہت مل چکے ہیں اب پلاٹ سے بڑھ کر کیا ہوگا۔"

"اس سے بھی بڑا انعام ہے۔"

"بھئی مبارک ہو۔" ایک اور ساتھی صفدر نے بھی آکر سب سے پہلے قادر کو مبارکباد دی تو وہ بھڑک اٹھا۔

"یار ایسی کیا چیز ہے جسے تم لوگ اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کررہے ہو۔" اس وقت تک قادر کو بہت سے تحائف مل چکے تھے۔ شوقین لوگ اس کی بالوں پر اسے پلاٹ سے لے کر کار اور نقد انعامات سب ہی کچھ دے چکے تھے ایسے میں قادر کے لئے انعام و اکرام اب نئی چیز نہیں رہے تھے۔

"زلزلہ صاحب تمہیں عمرے کے لئے بھیج رہے ہیں۔" مقبول نے بتایا۔

"عمرے پر" قادر بڑبڑایا۔ اس کے دل میں عجیب سے جذبے نے سر اٹھایا' خانۂ خدا کو دیکھنا وہاں جاکر سر جھکانا بہرحال بہت بڑی سعادت تھی۔ قادر اب تک عمرہ نہیں کرپایا تھا صرف اس کے بارے میں سوچا ہی تھا اس غیر متوقع انعام نے اس کی آنکھوں کے گوشوں کو نم کردیا تھا۔

"واقعی" اس کے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا شاید اسی کو بلاوا کہتے ہیں۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا' اتنا بڑا موقع اتنی بڑی سعادت اس کے انتظار میں تھی اور وہ تھا کہ مسلسل انکار کررہا تھا۔ واقعی یہ اس کی قسمت میں ہی تھا جو وہ یہاں تک آگیا تھا۔

عمرہ کہنے کو صرف ایک لفظ ہے لیکن وہاں پہنچ کر جو کچھ قادر کے دل و جان پر گزری یہ وہی جانتا تھا' وہ بہت خوش تھا اتنا خوش کہ زندگی میں پہلی بار خوشی اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر آنسو بن کر بکھر رہی تھی۔ وہ جو صرف خدا سے مانگنے پر یقین رکھتا تھا خانۂ خدا میں پہنچ کر کچھ مانگنا تک بھول گیا تھا۔

عمرے سے واپسی کے بعد قادر کو پہلی بار آسٹریلیا جانے کا موقع ملا۔ پانچ میچوں کی اس سیریز میں قادر نے ۱۲ وکٹیں حاصل کیں اس سے پہلے آسٹریلیا کی پاکستان آمد کے موقع پر قادر نے تین میچوں میں ۲۲ کھلاڑی آؤٹ کردیے تھے۔ آسٹریلیا میں قادر کی بہترین کارکردگی ۲۲۶ رنز دے کر پانچ وکٹوں کا حصول تھا۔ آسٹریلیا... میں قادر نے گریک چیپل کے لئے ماڈلنگ بھی کی۔ قادر کو آسٹریلیا میں ایک اشتہار کے لئے ماڈلنگ کی آفر ہوئی تھی پہلے اس نے انکار کردیا تھا مگر بعد میں چیپل کے کہنے پر وہ راضی ہوگیا تھا۔ میلبورن میں ہی قادر کو کھو جانے کے تجربے سے بھی آشنائی ہوئی۔ ہوا یہ کہ وہ تنہا ہی چہل قدمی کے لئے نکل کھڑا ہوا تھا اس کا خیال تھا کہ دس پندرہ منٹ کے بعد وہ واپس لوٹ آئے گا مگر ہوا یہ کہ وہ کہیں غلط سڑک پر مڑ گیا اب وہ جتنا واپسی کی کوشش کرتا غیر محسوس طور پر دور ہوتا جارہا تھا۔ اس نے جس کسی کو ہوٹل کا نام بتا کر راستہ بتانے کو کہا اس نے اسے بالکل مخالف راستہ بتایا بہرحال پورے دو گھنٹے بعد وہ ایک ٹیکسی پر ہوٹل واپس آیا۔ اس کے بعد کئی روز تک اس کا مذاق اڑتا رہا۔ ہر ایک اسے آسٹریلیا کا ماہر قرار دیتا رہا تھا۔ اس کے بعد وہ بہرحال اکیلا ہوٹل سے باہر نہیں نکلا۔

○☆○

دنوں کی بالیں وکٹوں پر پڑتی جارہی تھیں۔ یہ وقت قادر کے عروج کا وقت تھا۔ کرکٹ سیزن' فرسٹ کلاس' قومی کرکٹ' کلب غرضیکہ کرکٹ قادر کے شب و روز میں ڈھلی ہوئی تھی۔ شہرت و مقبولیت یوں ہر شعبے میں کام کرنے والوں کی پہلی خواہش ہوتی ہے مگر شہرت و مقبولیت اگر مل جائے تو اس کی اپنی ایک قیمت بھی ہوتی ہے وہ جہاں زندگی پر چند بندشیں عائد کردیتی ہے وہیں انسان کو صرف اس کا اپنا یا اپنوں کا نہیں رہنے دیتی۔ شہرت کی دیوی اب قادر پر مہربان تھی پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے لوازمات کو ساتھ نہ لاتی۔ اب کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا جب قادر کی کسی پرستار خاتون کے ٹیلی فون کی گھنٹیاں قادر کے گھر میں نہ بجتی ہوں۔ بہت سی لڑکیاں تو باقاعدہ قادر سے ملنے پہنچ جاتیں۔ مینا لاکھ کم گو سہی مگر یہ سب اس کی برداشت سے باہر ہوتا جارہا تھا یوں بھی وہ جس ماحول کی عادی تھی وہاں اس سب کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ ایسے میں شازیہ نامی لڑکی سے قادر کی دوستی نے قادر کے گھریلو سکون کی جھیل میں انتشار کا پتھر پھینک ہی دیا۔

شروع میں اس لڑکی کا دن میں کبھی ایک آدھ بار فون آتا تھا پھر تو دن بھر اس نے ٹیلی فون کا ڈائل گھمانے کو ہی زندگی کا مقصد سمجھ لیا تھا۔ قادر نے شروع میں اس سے بات کرلی تھی مگر پھر وہ عموماً انکار کروادیتا مگر مینا کے دل میں غصہ جڑ پکڑ چکا تھا۔

"آخر یہ سب کب تک چلے گا؟"

WORLD CUP HEROES

Share the Magic

1996

WORLD CUP

پاکستان کے نامور آرٹسٹ شاہد حسین کی پیش کش

ورلڈ کپ ہیروز

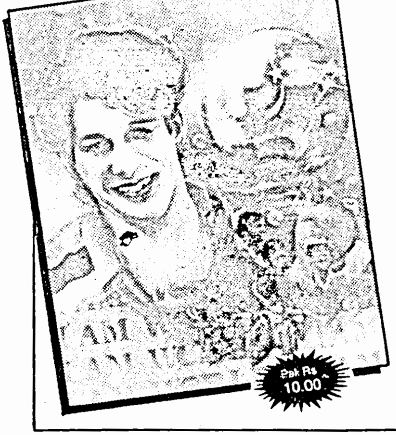

پاکستان میں دوسری مرتبہ ورلڈ کپ کے انعقاد پر پاکستانی کرکٹ کے عظیم کھلاڑیوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے یادگاری پوسٹر چار نظر فریب رنگوں میں آرٹ پیپر پر دیدہ زیب طباعت

ملنے کا پتہ: احمد نیوز ایجنسی۔ کراچی' لاہور

"کیا سب کچھ....."

"یہی ٹیلی فون.... مہمان.... وغیرہ" وہ نوکیلے لہجے میں بولی۔

"بینا تمہیں کیا ہوگیا ہے؟" قادر اسے حیران نظروں سے دیکھ کر بولا۔

"مجھے تو کچھ نہیں ہوا ہے مگر تمہیں ضرور کچھ ہوگیا ہے۔ تمہیں کوئی خیال نہیں کہ تمہارے گھر کیسے کیسے لوگ فون کرتے ہیں، منہ اُٹھا کر چلے آتے ہیں، آخر برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔"

"بینا تمہیں مجھ سے کیا شکایت ہے؟" قادر نے سنجیدگی سے پوچھا "میں نے تم سے کوئی غلط بات کی ہے یا میرے کردار پر کوئی دھبا نظر آیا ہے تمہیں۔"

"میں یہ سب نہیں جانتی۔"

"تمہیں جاننا چاہئے۔ تمہیں کم از کم یہ ضرور جاننا چاہئے کہ تم ایک کھلاڑی کی بیوی ہو، کھلاڑی بھی وہ جو ساری دنیا میں جانا جاتا ہے ظاہر ہے کہ اس کے پرستار بھی ہوں گے اور جو اس سے ملنا بھی چاہیں گے مگر اس میں ظاہر ہے کہ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"مگر تمہارے مداحوں میں اتنی لڑکیاں کیوں ہیں؟"

"یہ میری چوائس نہیں ہے مگر یہ اللہ کی دی ہوئی عزت ہے کہ لوگ ہم سے ملنا چاہتے ہیں۔ تم جانتی ہو کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ سب جانتے ہیں کہ میں شادی شدہ ہوں اگر میں بُرا انسان ہوتا تو کبھی اس بات کا اعلان سب سے پہلے نہ کرتا۔ اس کے علاوہ اگر میں برائی کرنا چاہوں تو کیا میں بے وقوف ہوں کہ سب کو گھر کا نمبر دوں۔ میں کہیں بھی جا کر گڑبڑ کر سکتا ہوں تمہارے فرشتے بھی مجھے نہیں پکڑ سکیں گے۔ میں گھر سے باہر جا کر کیا کرتا ہوں یا کیا کر سکتا ہوں کیا تم کبھی معلوم کر سکتی ہو۔ بولو جواب دو۔" قادر نے اس سے پوچھا۔

"نہیں" اس بار بینا دھیرے سے بولی۔

"تو پھر تمہیں مجھ پر اعتماد کرنا چاہئے اس کے سوا تمہارے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ شہرت میں انسان کو کچھ دینا بھی پڑتا ہے پھر آپ پبلک پراپرٹی بن جاتے ہیں۔ ذرا سوچو خود ہی کہ یہ پرستار ہی تو میری شہرت بڑھاتے ہیں اگر میں ان سے ملنا چھوڑ دوں تو کل کون مجھے پوچھے گا۔"

"بس مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا۔"

"اس میں بُرا لگنے کی کوئی بات نہیں ہے یہ سب ہماری مجبوری ہے تم اپنا دل صاف کرلو ورنہ اس سے نقصان صرف تمہیں ہوگا، ہماری زندگی تلخ ہوجائے گی۔ بولو کیا تم اس کے لئے تیار ہو۔" قادر نے غصے سے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو پھر مجھ پر یقین رکھو۔"

"ٹھیک ہے۔" بینا یہ کہہ کر جانے لگی۔

"کیا ٹھیک ہے، بھئی دیکھو بینا پلیز میری بات کو سمجھو۔ ایک کرکٹر کی بیوی ہونے کے ناتے جہاں تم عزت و شہرت کی مالک ہو وہیں تمہیں کچھ برداشت بھی کرنا پڑے گا۔"

"میں سمجھتی ہوں۔ بس اس لڑکی کے مسلسل فونز نے مجھے غصہ دلا دیا تھا۔"

"تم اسے ڈانٹتی کیوں نہیں ہو۔ ایک بار اچھی طرح ڈانٹ دو۔ جنونیوں سے نمٹنے کا یہی طریقہ ہے۔" قادر آرام سے بستر پر دراز ہوگیا۔

۸۶-۱۹۸۵ء میں پاکستان نے سری لنکا کے خلاف میچز کی سیریز کھیلی اور ۸۶ میں قادر ٹیم کے ساتھ پہلی بار سری لنکا گیا تھا۔

"اوہ کتنا خوب صورت ملک ہے۔" کینڈی جہاں پاکستان کو اپنا پہلا میچ کھیلنا تھا وہاں پہنچ کر ہر کھلاڑی کی زبان پر ایک ہی بات تھی۔

کینڈی کے اسگیریا اسٹیڈیم میں ہی پاکستان سری لنکا کا مقابلہ ہونا تھا۔ یہ اسٹیڈیم بھی بہت ہی خوب صورت بنا ہوا ہے۔ کولمبو سے ۱۱۵ کلومیٹر دور سطح سمندر سے بلندی پر واقع سرسبز وادیوں میں گھرا ہوا یہ اسٹیڈیم اسٹیڈیم کم اور ایک خوب صورت رومانٹک اسپاٹ زیادہ لگتا ہے۔

"بھائی یہ تو فلموں کی شوٹنگ کے لئے بہترین جگہ ہے۔" محسن حسن خان نے اسٹیڈیم کے پہلے دورے میں کہا تھا اور بعد میں ان کی دو فلموں کی شوٹنگ کینڈی کے علاقے بلکہ ایک سین کی شوٹنگ تو اس اسٹیڈیم میں بھی ہوئی۔

"اس کا حسن اپنی جگہ مگر ہم یہاں میچ کھیلنے آئے ہیں لہٰذا اس بات کو یاد رکھا جائے تو بہتر ہے۔" عمران خان اپنی ایک پُرانی دوست کے ساتھ باہر جاتے ہوئے محسن کو یہ بات یاد دلا گیا تھا۔

"یار بعض اوقات مجھے عمران خان پر بہت رشک آتا ہے۔" محسن نے اس کے جانے کے بعد کہا۔

"بعض اوقات؟" قادر نے پوچھا "وہ اتنا شاندار انسان ہے اتنی اچھی کرکٹ کھیلتا ہے، اس جیسے شخص پر تو ہمیشہ ہی رشک آسکتا ہے۔"

"نہیں مجھے اس وقت خصوصاً عمران پر رشک آتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ ہر ملک میں اس کی کوئی نہ کوئی دوست بلکہ دوستیں موجود ہوتی ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ بس کرکٹ اور گیند کو دیکھتے رہیں، موسم کو بھی دیکھیں تو خان صاحب ٹوک دیتے ہیں۔" محسن بناوٹی غصے سے بولا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے نا، پہلے بڑے ہوجاؤ پھر یہ ساری باتیں کرنا۔" قادر اسے چھیڑتا ہوا بولا۔

"قادر مجھے یقین ہے کہ اگر عمران دن کی روشنی کو رات کہے تو تم وہ بھی مان جاؤ گے کیوں صحیح کہا نا میں نے۔" محسن اب قادر کو چھیڑنے لگا۔

"یار میں اس آدمی کے لئے جو بھی کروں وہ کم ہے۔ وہ میرا محسن ہے۔" قادر جذباتی انداز میں بولا۔

"مگر بھائی محسن تو میں ہوں۔ دیکھا میرے نام کا بینیفٹ بھی لے گیا نا۔" محسن فریاد کرتے ہوئے بولا۔

"اب یہ تو اپنی اپنی قسمت اور اپنے اپنے اعمال ہیں' کسی کو بینیفٹ ملتا ہے تو کوئی فریاد کرتا رہ جاتا ہے۔" قادر ہنس کر بولا۔

کینڈی کے اسگیریا اسٹیڈیم میں ان کا میچ بہت اچھا رہا تھا۔ سری لنکا کی ٹیم اس وقت تک قدرے منجھ تو چکی تھی مگر یہ میچ پورے کا پورا پاکستان کے ہاتھ میں ہی رہا تھا اور پاکستان نے ۸ وکٹوں سے سری لنکا کو شکست دے دی تھی۔ قادر نے میچ میں بہترین بولنگ کرکے ۵ کھلاڑی آؤٹ کئے تھے اس کی بہترین کارکردگی ۲۳ رنز کے عوض ۳ وکٹیں رہی تھیں۔ دوسرا میچ پاکستان نے کولمبو کے مشہور عالم سنیالیز کلب گراؤنڈ پر کھیلا تھا۔ سری لنکا آئی سی سی میں خواہ تاخیر سے آیا ہو مگر وہاں کرکٹ صدیوں سے کھیلی جاتی رہی ہے۔ انگلینڈ اور آسٹریلیا کی ٹیمیں دورے پر نکلتیں تو کولمبو میں ضرور کرکٹ کھیلتیں۔ سنیالیز کلب گراؤنڈ بہت دلکش گراؤنڈ ہے اور مارچ کے مہینے میں اس کی بہار دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہاں ہونے والے ٹیسٹ میں وسیم اکرم نے ۲۸ رنز دے کر ۴ وکٹیں لے لی تھیں۔

"کرکٹ کھیلنے کا مزہ تو یہاں ہے۔" میچ کے بعد وسیم اکرم نے سنیالیز گراؤنڈ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ دیکھو کہ کیسا اتفاق ہے کہ اتنی خوب صورت جگہ اور اتنی غربت ہے یہاں۔" میانداد نے باہر آتے جاتے لوگوں کو دیکھتے ہوئے کہا "ویسے یہ سیاحوں کے لئے جنت سے کم نہیں ہے۔"

"بس اس جنت میں اگر کوئی تکلیف ہے تو کھانے پینے کی ہے نہ جانے کیا کیا کھلا دیتے ہیں یہ لوگوں کو۔" قادر نے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "مجھے تو ہر کھانے میں یہی ڈر لگتا ہے کہ سانپ یا مینڈک نہ ہوں۔"

۸۶۔۸۷ میں بھارت کا دورہ قادر کے لئے کئی لحاظ سے دلچسپ ثابت ہوا اس وقت تک قادر بولنگ کی دنیا کا کریز بن چکا تھا۔ اپنے پہلے دورے کے مانند وہ ایک نیا کھلاڑی نہیں رہا تھا کرکٹ اس کے لئے گھر کی بات بن چکی تھی۔ اس دورے میں قادر بہت اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کرسکا جس کی سب سے بڑی وجہ وکٹوں کا سازگار نہ ہونا تھا۔ تیز رفتار بولنگ کے حساب سے بنائی گئی وکٹوں پر تیز بالر نے اپنا کمال دکھایا تھا مگر قادر نے ان وکٹوں پر جہاں کوئی لیگ اسپنر بہت مہنگا پڑتا بڑی نپی تلی بالنگ ضرور کی تھی اور مخالف ٹیم کو باندھ کر رکھا تھا۔ اس وقت تک بھارتی بیٹسمین یوں بھی قادر کے غیر متوقع انداز کے عادی ہوگئے تھے اس لئے وہ قادر کو بہت محتاط اور بہت سمجھ کر کھیلے۔

اس میچ میں قادر کی ملاقات بھارتی فلمی دنیا کی کئی شخصیتوں سے ہوئی۔ وہ بمبئی میں پویلین میں میچ دیکھ رہا تھا کہ سابق کھلاڑی آصف اقبال ایک صاحب کے ساتھ اس کی برابر کی سیٹ پر آبیٹھے سلام و دعا ہو چکی تھی لہٰذا ہیلو ہیلو پر بات ختم ہوگئی ان صاحب کا تعارف نہ تو آصف نے کرایا نہ ہی قادر نے پوچھا مگر وہ اسے کافی جانے پہچانے ضرور لگ رہے تھے۔

"آپ بالنگ کی دنیا کے شہنشاہ ہیں۔" بریک میں وہ صاحب قادر سے گفتگو کرنے لگے "میں نے آصف بھائی سے کہا تھا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں شکر ہے یہ خواہش پوری ہوگئی۔"

"جی یہ تو آپ کی مہربانی ہے۔" قادر نے جواب دیا۔

"آپ تو ابھی یہاں ہیں' کسی دن میرے گھر رات کا کھانا کھائیں۔ میں بہت اچھی بریانی پکاتا ہوں۔"

"جی ضرور مگر میں... میں آپ کا گھر نہیں جانتا۔" قادر اسی ادھیڑبن میں تھا کہ یہ صاحب ہیں کون اور اسے دیکھے دیکھے سے کیوں لگ رہے ہیں۔

"لیجئے یہ کیا بات ہوئی بھئی پیاسا خود آجائے گا کنوئیں کے پاس۔ میں آپ کو لے چلوں گا ہوٹل سے۔" وہ دونوں کافی دیر گفتگو کرتے رہے۔ اس کے اصرار پر قادر نے اس کی دعوت منظور بھی کرلی مگر وہ یہ ظاہر ہے کہ نہیں پوچھ سکا کہ وہ ہیں کون؟ اتنے میں آصف اقبال جو بریک سے پہلے اٹھ کر باہر گئے تھے واپس آگئے۔

"بھئی لگتا ہے تم دونوں کی دوستی ہوگئی۔" وہ قادر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے "انوپم تم سے ملنے کا بہت خواہش مند تھا اس لئے میں نے کہا کہ چلو آج ملوا ہی دیتا ہوں قادر سے۔ بھئی یہ گگلی بالر ہے اور تم گگلی ایکٹر۔ دونوں ہی سامنے والوں کی وکٹ اُڑا دیتے ہو۔" آصف بھائی کے تعارف کرانے کے بعد قادر سمجھ پایا تھا کہ وہ چہرہ اسے قدرے آشنا کیوں لگ رہا تھا' وہ انوپم کھیر تھا۔ بھارتی فلمی دنیا کا مقبول نام مگر کرکٹ کا دیوانہ۔

کئی دنوں بعد جب قادر انوپم سے کافی بے تکلف ہوگیا تو اس نے اسے بتادیا تھا کہ پہلی ملاقات پر ہوا کیا تھا۔

"یعنی کچرا کردیا میرا۔" انوپم اسے گھور کر بولا "اب اگر تم یہ بات نہ کہتے تو کیا جاتا تمہارا۔ میں کم از کم اس خوش فہمی میں تو رہتا کہ بھئی ہماری بھی کوئی شہرت ہے۔"

"شہرت تو ہے تمہاری بلکہ بہت ہے بس ہم جیسے نالائق جو فلمیں نہیں دیکھتے ضرور یہ بات کہہ سکتے ہیں۔" قادر نے اسے دلاسا دیا۔

"خیر اب تم کہتے ہو تو مان لیتے ہیں۔" انوپم شاہانہ انداز میں بولا۔

قادر کو وہیں فلموں میں کام کرنے کی پہلی آفر بھی ملی۔

"کیا؟" وہ ہنستے ہنستے دوہرا ہوگیا تھا "میں اور اداکاری؟ کیسی عجیب بات ہے۔"

"عجیب کیا بات ہے۔ ہر آدمی اداکاری کرسکتا ہے۔" انوپم

برا مان کر بولا "بوکاڈیہ جی یہاں کے بہت بڑے ڈائریکٹر ہیں وہ تو پتھر سے تاثرات دلوادیں۔ تم ہاں کرو تو بات آگے بڑھے۔ دراصل انہوں نے تمہیں میری پارٹی میں دیکھا تھا' بس اس کے بعد سے وہ تم سے ملنا چاہ رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تم ان کی اگلی فلم کے لئے بہت موزوں ہو اور پھر وہ تم پر فلم بھی بنانا چاہ رہے ہیں جس میں تم ایک بالر کا کردار ہی کروگے۔"

"مگر یار نہ تو یہ میری فیلڈ ہے اور نہ ہی میرا شوق۔ سچی بات یہ ہے کہ میں تو فلمیں شوق سے دیکھتا تک نہیں ہوں؟"

"فیلڈ بننے اور شوق پیدا ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے۔ بوکاڈیہ صاحب اچھی آفر کررہے ہیں تم ان سے بات تو کرکے دیکھو۔"

"انوپم مجھے اداکاری نہیں آتی۔"

"پھر وہی بات! یار تم نے وہ بات نہیں سنی شیکسپیئر کی کہ تمام انسان اداکار ہیں اور ہر کوئی اپنا اپنا رول کرکے چلا جاتا ہے وغیرہ۔"

"نہیں وہ بھی نہیں سُنی۔ خیر یہ تو مذاق تھا مگر فی الحال میں اس طرح کی کوئی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں ایک کرکٹر ہوں۔ بالر ہوں' ابھی میں فارم میں ہوں سالوں کھیل سکتا ہوں۔ کھیلنا چاہتا ہوں اس لئے میں اپنا وقت کسی اور چیز میں نہیں لگا سکتا۔ ابھی مجھے اس کام سے دلچسپی نہیں ہے۔" اس بار قادر نے سنجیدگی سے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے ویسے تم پھر بھی بوکاڈیہ سے مل کر اسے یہ سب بتا دینا۔" انوپم نے اسے مشورہ دیا۔ اس کے انکار کے باوجود بوکاڈیہ صاحب نے قادر سے اس کا پتا وغیرہ لے لیا تھا بقول ان کے وہ وقتاً فوقتاً قادر سے پوچھتے رہیں گے۔ کبھی تو اس کا ارادہ بن ہی سکتا ہے ان کی اس خوش فہمی پر قادر مسکرا کر چپ ہوگیا۔

بھارت کا یہ دورہ قادر کے لئے تجربات کا خزانہ بن گیا تھا۔

مدراس میں تو اسے شاید زندگی کا سب سے بڑا جھٹکا لگا تھا۔

اسے آپریٹر نے کسی مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ لابی میں آیا تو ایک خوب صورت لڑکی اس کی منتظر تھی۔ اس کی خوب صورت انداز میں بندھی ہندوانی ساری' ماتھے پر لگی بندیا اور اس کے نقوش بتا رہے تھے کہ وہ ہندو ہے۔

"جی فرمایئے۔" قادر اس کے قریب جاکر بولا۔

"اوہ آپ..." وہ اسے دیکھ کر کھڑی ہوگئی "آپ آگئے۔ مجھے اطلاع مل گئی تھی۔" وہ پلو سنبھال کر اس کے پیروں پر جھکتے ہوئے بولی۔

"یہ کیا کررہی ہیں آپ۔" قادر گھبرا کر پیچھے ہٹا "میرے پیر کیوں پکڑ رہی ہیں۔"

"پیر نہیں پکڑ رہی' آپ کے چرن چھو رہی ہوں۔ یہی تو میرے لئے سورگ ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"کیا مطلب۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔"

"کاہے کی غلط فہمی۔ نظر دھوکا کھا سکتی ہے مگر دل دھوکا نہیں کھا سکتا۔ آپ کرکٹ کھیلتے ہیں۔ عبدالقادر آپ کا نام ہے۔ پاکستان سے آئے ہیں اور اپنے فن کے گرو ہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی "کچھ غلط کہا ہے میں نے؟"

"نہیں۔ آپ کو مجھ سے کچھ کام ہے؟"

"کام تو آپ بتایئے ہم کو... داسی ہیں ہم آپ کی۔" وہ بڑی ادا سے بولی۔

"دیکھیے میں اس وقت مصروف ہوں۔" وہ یہ کہہ کر واپس لفٹ کی جانب مڑا تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دی "ارے یہ آپ میرے پیچھے کہاں پڑ گئی ہیں ہوٹل سے باہر جانے کا راستہ وہ ہے۔"

"مگر ہمیں تو آپ کے ساتھ جانا ہے۔"

"ارے یہ تو کوئی پاگل لگتی ہے دیکھو لڑکی ڈرامے بازی بہت ہوگئی اب سیدھے سیدھے چلتی پھرتی نظر آؤ ورنہ میں ویٹر کو بلواتا ہوں۔"

"آپ لفٹ میں تو چلیں۔" وہ اسے آنکھ مار کر بولی۔

"بکواس مت کرو۔"

"میری بات سمجھیں۔ میں لفٹ میں سب کچھ بتا دوں گی۔" وہ سرگوشی میں بولی۔

لفٹ میں اتفاق سے ان دونوں کے سوا کوئی بھی نہیں تھا۔

"اب بتاؤ کیا ڈراما ہے یا..." قادر تیوری چڑھا کر بولا۔

"ہے تو ڈراما مگر حقیقت میں شرط لگی ہوئی ہے۔" اس بار وہ نارمل انداز میں بولی "میرا نام ببلا ہے۔ میں کالج میں پڑھتی ہوں۔ میری سہیلیوں سے شرط لگی ہوئی ہے کہ میں آپ کو بے وقوف بنا لوں گی' پلیز آپ مجھے ہروائیں گے تو نہیں۔"

"میں کوئی گھوڑا ہوں جس پر آپ نے شرط لگا رکھی ہے میں ان بے ہودہ باتوں کو نہیں مانتا۔" قادر غصے سے بولا۔

"دیکھیں آپ کا کیا جائے گا' آپ اچھے انسان ہیں' میں آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتی مگر یہ شرط تو مجھے جیتنا ہی ہے اگر آپ نے میری مدد نہیں کی تو پھر میں وہ ڈراما اسٹیج کرتی رہوں گی سب کے سامنے۔ خواہ مخواہ آپ کی ہنسی اُڑے گی۔" وہ اسے دھمکاتے ہوئے بولی۔

"کیا مشکل ہے پروردگار' یہ ساری بلیک میلر خواتین مجھ سے ہی کیوں ٹکراتی ہیں۔" قادر بے چارگی سے بولا۔

"پلیز آپ میری مدد کردیں۔ آپ کو صرف یہ ہی تو شو کرنا ہے کہ ہم دوست بن گئے ہیں اور بس... دوست تو ہم بن ہی گئے ہیں نا ورنہ میں ہار جاؤں گی' ہنسی اُڑے گی میری۔" اس بار وہ لجاجت اور معصومیت سے بولی۔ قادر کو اس پر ترس بھی آرہا تھا اور غصہ بھی چند لمحوں بعد وہ ہنس پڑا۔

"چلو ٹھیک ہے مگر ہے بچگانہ بات۔"

"بچگانہ ہی سہی۔" ببلا بھی ہنس دی۔

"یہ آج فلور آکیوں نہیں رہا۔ کہیں لفٹ بند تو نہیں ہو گئی۔" چند لمحوں بعد قادر کو سفر طویل ہو جانے کا احساس ہوا۔

"نہیں۔ دراصل ہم اوپر نیچے ہو رہے تھے۔" اس نے اپنی انگلی دکھائی جو لفٹ کے بٹن پر تھی۔

"ویری بیڈ۔" قادر نے اسے گھورا۔

"مجبوری تھی نا کوئی فیصلہ تو کرنا تھا نیچے تو وہ لابی سے دیکھ رہی تھیں۔"

"کون؟"

"میری سیلیاں۔" بلا نے بتایا۔ اس روز تو بلا چائے پی کر رخصت ہو گئی تھی مگر دوسرے دن صبح ہی صبح وہ پھر آ گئی تھی۔ یہ قادر کا آف ڈے تھا۔

چند گھنٹوں میں ہی بلا قادر سے بے تکلف ہو گئی تھی۔ وہ بہت اچھی لڑکی تھی بے ساختہ گفتگو کرنے والی... بہت ہنسنے والی۔ انجوائے کرنے والی، کئی دن وہ اور قادر ساتھ گھومتے رہے مگر دن بہرحال گزرنے کے لئے ہی ہوتے ہیں۔ قادر کو اب ٹیم کے ساتھ کلکتہ جانا تھا۔

"تو تم.... آپ جا رہے ہیں۔" بلا اس کی اطلاع پر اداس ہو گئی۔

"ہاں جانا تو تھا ہی نا۔" قادر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیا کہے۔

"ہاں مگر اتنی جلدی۔"

"میں تو ٹیم کے ساتھ ہی جاؤں گا نا۔" اس نے بلا کو تسلی دی "مگر میں جب واپس آؤں گا تم سے ضرور ملوں گا۔"

"پتا نہیں اب ایسا کب ہو؟"

"تم پاکستان آؤ تو مجھ سے ملنے ضرور آنا۔"

"نہیں میں وہاں کبھی نہیں آؤں گی۔" بلا اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیوں؟" قادر نے پوچھا۔

"وہاں تمہاری بیوی ہے نا؟" بلا نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"میں اپنی آنکھوں کے سامنے تمہیں کسی کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی۔" بلا یہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔

قادر اسے کھڑا دیکھتا رہ گیا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہر دم ہنسنے والی، ہر چیز کو مذاق میں اُڑانے والی لڑکی اتنی سنجیدہ بھی ہو سکتی ہے۔ اتنی بڑی بات بھی کہہ سکتی ہے۔ اس نے جاتی ہوئی بلا کو روکنے کی کوشش بھی نہیں کی بھلا وہ اسے کس طرح روک سکتا تھا۔ بغیر کسی حوصلہ افزائی کے وہ جذبوں کی دوڑ میں اتنے آگے چلی گئی تھی وہ اسے مزید بھنور میں نہیں کھینچنا چاہتا تھا مگر وہ خود اُداس ضرور ہو گیا تھا۔ کئی روز تک اسے بلا کا خیال ستاتا رہا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اس میں انوالو ہو گیا ہو مگر یہ ضرور تھا کہ اسے اس کی عادت سی ہو گئی تھی اور پھر جاتے جاتے وہ جو کچھ کہہ گئی تھی اس نے قادر کو دھچکا ضرور پہنچایا تھا۔ اس کے دل میں چھپے کسی جذبے کو ضرور چھیڑا تھا۔

پھر کرکٹ ہی نے اسے اس مشکل مرحلے پر سہارا دیا تھا۔ میچوں نے اسے مصروف کر دیا تھا اور پریکٹس کے بعد جب وہ بستر پر گرتا تو تھکن سے چور بدن اور ذہن لمحوں میں نیند کی خاموش گود میں اُتر جاتے۔ حیدر آباد دکن میں اس کی ملاقات ایک مختلف پرستار سے ہوئی۔ ان دنوں قادر نے اس طرح ملنے آنے والوں سے ملنا چھوڑ دیا تھا مگر جب آپریٹر نے اسے بتایا کہ وہ بہت عمر رسیدہ ہیں تو اس نے انہیں اوپر بُلوا لیا۔ وہ واقعی پچھتر کے پیٹے میں لگ رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بوسیدہ ٹرنک تھا جسے انہوں نے بڑی احتیاط سے سینے سے لگا رکھا تھا۔

"آیئے تشریف لایئے۔" قادر انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے بیٹھیے صاحب کائے کو تکلیف کر لے رہے ہیں آپ۔" وہ حیدر آبادی انداز میں بولے "میرا نام کمنّہ ہے اور میں بولو تو کرکٹ کا دیوانہ ہوں۔ آپ کی بالنگ کمال کی ہے بس دیکھو اور دیکھتے رہ جاؤ سو میں آپ سے ملنے کو ادھر پہنچ گیا۔"

"بہت شکریہ آپ کا۔ آپ نے اتنی عزت دی۔" قادر مسکرایا۔

"آپ کو ایک زحمت دینی ہے۔" وہ کچھ دیر گفتگو کے بعد بولے۔

"جی فرمایئے" قادر کے جواب پر انہوں نے میز پر بڑی احتیاط سے اپنا ٹرنک رکھا، اسے کھولا اور اس میں سے ایک کاغذ نکالا "اس پر آٹوگراف عنایت کر دیجئے۔"

"یہ اس میں کیا ہے؟" قادر آٹوگراف دینے کے بعد ٹرنک کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"یہ میری بولیے تو زندگی بھر کی کمائی ہے۔ میرا مشغلہ کھلاڑیوں، امپائروں کی تصویریں اور آٹوگرافس جمع کرنا ہے۔ اس میں ہزاروں آٹوگرافس موجود ہیں۔" وہ فخر سے بولے "آپ بہت بھلے آدمی ہیں۔ میری ایک درخواست ہے آپ سے۔ آپ پاکستان میں ہی رہتے ہیں اور کھلاڑیوں سے ملتے بھی ہیں، یہ ایک فہرست میں آپ کو دے رہا ہوں ہو سکے تو جن کے آٹوگراف، فوٹوگراف مل سکیں اس ناچیز کو بھجوا دیں۔" انہوں نے ایک لمبی فہرست قادر کی طرف بڑھا دی۔ لسٹ میں سیکڑوں ناموں میں ایسے ایسے غیر معروف کھلاڑیوں کے نام بھی شامل تھے جنہیں خود قادر بھی نہیں پہچانتا تھا۔

"میں کوشش کروں گا جناب۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر بعد کمنّہ صاحب اپنا ٹرنک سنبھالے واپس چلے گئے۔ کچھ عرصہ پہلے کرکٹ کے ایک رسالے کے ذریعے ہی قادر کو معلوم ہوا تھا کہ کمنّہ صاحب گزر گئے۔ ہندو مسلم فساد میں وہ ایک روز گھر

کی طرف جارہے تھے کہ فسادیوں کے نرغے میں آگئے۔ جنہوں نے انہیں مسلمان سمجھ کر ایک کمرے میں بند کرکے آگ لگادی۔ محلے والے بروقت پہنچ گئے تھے۔ وہ چاہتے تو شاید بچ بھی جاتے مگر وہ اپنی زندگی بھر کی کمائی اس ٹرنک کو آگ میں نہ چھوڑ سکے اور اسے نکالتے نکالتے خود بھی راکھ ہوگئے۔ وہ فہرست سالہا سال تک قادر کے پاس پڑی رہی تھی بعد میں اس نے اسے پرانے کاغذات میں ڈال دیا تھا کہ یہ کام اس کے لئے بہت مشکل تھا۔

اس ٹور میں پاکستان نے بھارت کی ٹیم کو مسلسل اور پے در پے شکست دی تھی۔ اس ٹور میں پاکستان نے چھ ون ڈے میچ کھیلے جس میں سے پانچ پاکستان نے جیت لئے تھے۔ حیدر آباد دکن کا میچ صرف عبدالقادر کی غلطی سے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

ہوا یوں تھا کہ قادر بیٹنگ کررہے تھے پاکستان کو بھارت پر ایک وکٹ کی سبقت حاصل تھی۔ ایسے میں بیٹسمینوں کو صرف وکٹ پر جمے رہنا تھا اور یہی عمران کی ہدایت بھی تھی۔ بھارتی بالرز مستقل اس کوشش میں تھے کہ انہیں بیٹسمینوں کی کوئی غلطی نظر آئے مگر دونوں ہی بیٹسمین بہت محتاط ہوکر کھیل رہے تھے۔ ایسے میں ایک سلو بال پر قادر نے رن بنانے کا فیصلہ کیا' بال کو ہٹ کرکے وہ رن کے لئے دوڑ پڑے اور یہی ان کی سب سے بڑی غلطی ثابت ہوئی۔ بھارتی فیلڈرز نے اس غلطی کا فائدہ اٹھایا اور قادر کو آؤٹ کردیا یوں پاکستان یہ میچ ہار گیا۔

بھارتی ٹیم اس وقت عالمی فاتح تھی مگر پاکستان نے چوتھے ورلڈ کپ سے پہلے عالمی فاتح کو مسلسل شکست دینے کا ریکارڈ قائم کیا تھا۔ بھارت میں بھارت کو ہرانے کے بعد شارجہ کپ ٹورنامنٹ میں پاکستان نے ایک بار پھر فائنل میں بھارت کو ہرادیا۔ اس میچ میں قادر کو ان کے پرستاروں نے تحائف سے لاد دیا تھا۔

۸۷ کے ورلڈ کپ سے فوراً پہلے پاکستانی ٹیم انگلینڈ کے دورے پر گئی۔ اس وقت ٹیم بہت فارم میں تھی۔ امیدیں جوان تھیں اور حوصلے بلند۔ اگرچہ کہ روانگی سے پہلے ہی عمران خان اور ٹیم کے تمام ممبران اپنی فتح کی خواہش دل میں سجائے ہوئے تھے مگر انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ اس بار وہ اتنے کم وقت میں دوسری مرتبہ انگلینڈ کو انگلینڈ میں شکست دینے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

اس پانچ میچ کی سیریز میں پہلے میچ سے ہی پاکستانیوں کی کارکردگی بہت شاندار رہی تھی خصوصاً لیڈز میں ہونے والے میچ نے تو گویا تماشائیوں کو دیوانہ کردیا۔ موسم اس روز بھی بہت شاندار تھا جو کہ انگلستان میں کم کم ہی ہوا کرتا ہے۔

ٹاس پاکستان کے کپتان عمران خان نے جیتا مگر بیٹنگ کی دعوت حسب معمول برطانیہ کو دی۔ انگلینڈ پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے پہلی اننگ میں صرف ۱۳۶ رنز بنا پایا جس میں صرف ایک بیٹسمین ڈیوڈ کیپل نے نصف سنچری بنائی۔ اس اننگ میں عمران خان' وسیم اکرم اور محسن کمال نے ۳' ۳ وکٹیں حاصل کیں۔ انگلینڈ کے اس اسکور کے جواب میں پاکستان نے ۳۵۳ رنز بنائے یوں پاکستان کو ۲۱۷ رنز کی واضح برتری حاصل ہوگئی۔ دوسری اننگز میں عمران نے مخالف بیٹسمینوں کا بھرکس نکال دیا۔ ۴۰ رنز دے کر عمران خان نے ۷ وکٹیں لے ڈالیں۔ انگلستان کی پوری ٹیم ۱۹۹ رنز بنا کر آؤٹ ہوگئی صرف ڈیوڈ گاور نصف سنچری بنا پائے۔ یوں پاکستان نے یہ ٹیسٹ ایک اننگ اور ۱۸ رنز کے واضح فرق سے جیت لیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب پاکستان نے انگلینڈ کو اننگز کی شکست دی تھی۔ اس میچ کے بعد پاکستانی کھلاڑی بہت خوش تھے' ہر طرف پاکستان زندہ باد کے نعرے لگ رہے تھے۔ فضا میں مسکراہٹیں بکھری ہوئی تھیں۔ کھلاڑیوں کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک دوسرے کو گلے لگا کر چلّا رہے تھے' مبارکبادیں دے رہے تھے۔ سب ہی خوشی سے ناچ رہے تھے۔ عمران خان بہت زیادہ خوش تھے کیونکہ وہ انگلستان کو اس کی سرزمین پر دو بار شکست دینے والے پہلے پاکستانی کپتان بن چکے تھے۔

اس خوشی میں پاکستانی ٹیم گویا سب کچھ بھول گئی تھی' پہلی بار پاکستانی کپتان نے عالم جذبات میں ذرائع ابلاغ کے سامنے شیمپین کھولی اور کھلاڑی مشروب کے جھاگ میں نہا گئے۔ اگلے روز اخبارات نے اس موقع کی تصویریں بڑے اہتمام سے شائع کیں یوں یہ فتح مباحثے کا موضوع بن گئی۔ بعد میں پاکستانی کھلاڑیوں کو اپنی غلطی تسلیم کرنا پڑی اس دورے میں قادر کی پرفارمنس اچھی رہی۔ اس نے کل ۱۱ وکٹیں حاصل کیں جس میں اس کی بہترین کارکردگی ۹۶ رنز دے کر ۷ وکٹوں کا حصول تھا۔

اس بار ٹیم کو بطور خاص برطانوی شہزادی ڈیانا نے دعوت پر مدعو بھی کیا تھا۔ اس سیریز کے فوراً بعد ہی چوتھے ورلڈ کپ کی مصروفیت نے کھلاڑیوں کو گھیر لیا تھا۔ اس بار ورلڈ کپ کی بڈ انڈیا اور پاکستان نے مشترکہ طور پر حاصل کی تھی اسی لئے ورلڈ کپ کے میچ ان دونوں ممالک میں ہونا طے پائے تھے۔ چوتھے ورلڈ کپ تک ون ڈے کرکٹ' ٹیموں کے مزاج کا حصہ بن چکی تھی۔ کھلاڑیوں نے اپنا انداز بدل ڈالا تھا اور طویل اننگز کھیلنے والے کھلاڑی رخصت ہونے لگے۔ اس دوران میانداد جیسے کھلاڑیوں نے ابتدا میں اننگز کو مستحکم کرنے آخر میں پٹائی کرکے مخالف ٹیم کی فیلڈنگ اور بولنگ کو تہس نہس کرنے کی حکمت عملی اپنائی تھی۔

آسٹریلیشیا کپ میں پاکستان کی فتح میانداد کی اس حکمت عملی کا نتیجہ تھی۔ آسٹریلیشیا کپ جیت کر پاکستان نے عالمی سطح پر برتری کے لئے خود کو فیورٹ بنالیا تھا۔ پاکستان کے پاس عمران خان اور وسیم اکرم جیسے دو فاسٹ بولرز اور عبدالقادر جیسا لیگ اسپنر موجود تھا۔ پاکستان کی بیٹنگ لائن میں سلیم ملک' رمیز راجہ' میانداد' اعجاز احمد اور وکٹ کیپر سلیم یوسف پر انحصار کیا جاسکتا تھا۔ اسی لئے عمران خان نے ان دنوں ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ ان کی ٹیم دنیا میں نمبرون ہے۔

○☆○

چوتھے ورلڈ کپ کے بی گروپ کا پہلا میچ ۱۸ اکتوبر کو حیدر آباد میں ہوا تھا جس میں پاکستان نے سری لنکا کو ۱۵ رنز سے ہرا دیا۔ اس میچ میں پاکستان نے ۶ کھلاڑیوں کے نقصان پر ۲۶۷ رنز بنائے تھے۔ جاوید میاں داد نے ۱۰۳ رنز بنائے۔ مین آف دی میچ جاوید ہی رہے تھے۔

اسی سلسلے کا دوسرا میچ راولپنڈی میں ہوا۔ یہ میچ بھی پاکستان نے انگلینڈ کے خلاف ۱۸ رنز سے جیت لیا اُس میچ میں قادر ایک بار پھر اُبھر کر سامنے آئے ان کی بالنگ کا جادو سر چڑھ کر بولا اور انہوں نے ۳۱ رنز دے کر ۴ وکٹیں حاصل کیں اور مین آف دی میچ بن کر ورلڈ کپ میں تین بار مین آف دی میچ بننے والے بالر کا اعزاز حاصل کرلیا۔

تیسرا میچ لاہور کے قذافی اسٹیڈیم میں ہوا۔ ویسٹ انڈیز کے خلاف ہونے والے اس میچ میں پاکستان کو ایک وکٹ سے فتح حاصل ہوئی۔ پاکستان کا اسکور ۲۱۷ تھا جو انہوں نے ۹ کھلاڑیوں کے نقصان پر بنایا تھا جبکہ ویسٹ انڈیز کی پوری ٹیم ۲۱۶ رنز پر آؤٹ ہوگئی تھی۔ اس میچ میں مین آف دی میچ سلیم یوسف تھے جنہوں نے ۵۶ رنز بنائے تھے۔ ورلڈ کپ کا چوتھا میچ کراچی میں پاکستان نے انگلینڈ کے خلاف کھیلا۔ انگلینڈ نے اپنی اننگ میں ۲۴۴ رنز بنائے تھے اور ان کے ۹ کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے جبکہ پاکستان نے تین کھلاڑیوں کے نقصان پر ۲۴۷ رنز بنائے تھے' یوں پاکستان کو ۷ وکٹوں سے فتح حاصل ہوئی۔ اس میچ میں عمران خان ۳۷ رنز دے کر ۴ اور عبدالقادر نے ۳۱ رنز دے کر ۳ وکٹیں حاصل کیں۔ اس بار مین آف دی میچ کا سہرا عمران خان کے سر رہا تھا۔ فیصل آباد میں ہونے والے میچ میں ایک بار پھر قادر نے خود کو ثابت کردیا تھا اس نے ۴۰ رنز دے کر تین وکٹیں حاصل کی تھیں۔ یہ میچ پاکستان نے سری لنکا کے خلاف کھیلا اور ۱۱۳ رنز سے کامیابی حاصل کی جس میں سلیم ملک کی سنچری بھی شامل تھی اس بار مین آف دی میچ سلیم ملک تھے۔

کراچی میں ہونے والا میچ ورلڈ کپ کے بی گروپ کے میچوں میں واحد میچ تھا جو پاکستان نے ہارا تھا۔ اس میچ میں ویسٹ انڈیز نے ۲۵۸ رنز بنائے تھے اور اس کے ۷ کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے جبکہ پاکستان ۹ کھلاڑیوں کے نقصان پر ۲۳۰ رنز بنا پایا تھا۔ یوں فتح ۲۸ رنز کے فاصلے پر ویسٹ انڈیز کے ہاتھ رہی۔

اس شکست سے قطع نظر پاکستان سیمی فائنل میں پہنچ گیا تھا۔ پاکستان کی ٹیم کی سابقہ کارکردگی کے پیشِ نظر ٹیم اور شائقین سب کو ہی یقین تھا کہ پاکستان سیمی فائنل جیت جائے گا یوں بھی سیمی فائنل میں اس کا مقابلہ آسٹریلیا سے تھا جسے ٹورنامنٹ کی کمزور ٹیم گردانا جارہا تھا اور سیمی فائنل کے بعد فائنل میں پاکستان کی فتح ماہرین کی نظر میں خاصی حد تک یقینی تھی مگر کرکٹ کو کرکٹ بائی چانس کہنے والے بھی غلط نہیں ہیں۔ اس کھیل میں زندگی کی طرح کسی بھی وقت کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ سیمی فائنل کی صبح پاکستانی کھلاڑیوں کے لئے یقین کی صبح تھی۔ وہ بہت پُراعتماد تھے انہیں اپنی فتح کا پورا یقین تھا اور اس یقین نے ہی انہیں خود اعتمادی سے بڑھا کر اوور کانفیڈنس کردیا تھا۔

میچ کا ٹاس آسٹریلیا نے جیتا مگر ایلن بورڈر نے خلافِ معمول پہلے خود کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ قذافی اسٹیڈیم اس روز تماشائیوں سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ تماشائی خاصی تیاری کرکے آئے تھے انہیں یقین تھا کہ یہ میچ پاکستان ہی جیتے گا اور اس کے لئے انہوں نے خاص بینرز بنائے تھے "بورڈر نے یہ عجیب فیصلہ کیا ہے۔" میانداد فیلڈنگ کے لئے گراؤنڈ میں آتے ہوئے عمران سے بولا۔

"ہاں اگر ہم ٹاس جیت جاتے تو یہی کرتے۔" عمران نے جواب دیا۔

آسٹریلیا نے مقررہ اوورز میں آٹھ وکٹوں کے نقصان پر ۲۶۷ رنز بنائے تھے۔ آسٹریلیا کی جانب سے یہ ایک بڑا اسکور تھا۔ عمران نے میچ کا آخری اوور سلیم جعفر سے کرایا یہ ان کی ایسی غلطی تھی جو آخری لمحوں میں مجبوری بھی بن گئی تھی۔ آسٹریلیا کے اسٹیو وا نے پورے اوور میں جعفر کو خوب پیٹا اور ایک اوور میں اٹھارہ رنز بنا لئے۔

۲۶۷ کا اسکور اگرچہ ٹھیک ٹھاک تھا مگر پاکستان اتنے رنز بناتا ہی آیا تھا اور قذافی اسٹیڈیم کی وکٹ پر جو کہ یوں بھی بیٹسمین کی مدد کررہی تھی اپنے اسٹار بیٹسمینوں کی موجودگی میں اتنے رنز بنالینا پاکستان کے لئے مشکل کہہ سکتے ہیں مگر ناممکن تو ہرگز نہیں تھا لیکن وہ دن پاکستان کا دن ہی نہیں تھا۔ میانداد نے اس میچ میں ۷۰ رنز بنائے مگر ان کی بیٹنگ کی رفتار بہت سست رہی۔ ۱۰۴ گیندوں پر ۷۰ رنز نے بعد میں کھیلنے والے کھلاڑیوں پر دباؤ کو بہت زیادہ بڑھا دیا۔ آخری اوورز میں یہ اوسط ۸ بالز فی اوور ہوگیا۔ جسے بعد میں آنے والے کھلاڑی پورا نہیں کرپائے یوں پاکستان کی ہارٹ فیورٹ ٹیم سیمی فائنل میں ۲۴۹ رنز بنا کر ۴۹ اوورز میں ہی آل آؤٹ ہوگئی۔ آسٹریلیا یہ سیمی فائنل صرف ۱۸ رنز سے جیت گیا اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہی اٹھارہ رنز تھے جو سلیم جعفر نے اپنے آخری اوور میں دیے تھے۔ بہرحال پاکستان نے ایک بار پھر یہ ثابت کردیا تھا کہ کرکٹ میں کچھ بھی ہوسکتا ہے اور پاکستان کی ٹیم اگر موڈ میں ہو تو ساڑھے تین سو رنز بھی اس کے لئے کچھ نہیں ہیں ورنہ پوری ٹیم ۴۳ رنز پر بھی آؤٹ ہوسکتی ہے امیدیں جتنی زیادہ ہوتی ہیں ردِعمل بھی اتنا ہی سخت ہوتا ہے۔ سیمی فائنل میں پاکستان کی شکست نے جیت کے لئے تیار مجمع کو سکتے کی سی کیفیت کا شکار کردیا۔ لوگ درحقیقت دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ کئی لوگ اسٹیڈیم میں ہی فرطِ غم سے بے ہوش ہوگئے۔ بہت سے گھروں میں اس شام کھانا نہیں پکا۔

وہ ٹیم جو کل تک فیورٹ ترین ٹیم تھی۔ راتوں رات لوگ

اس کے شدید خلاف ہوگئے۔ اخبارات ٹیم کے ارکان پر طرح طرح کے الزامات شائع کررہے تھے۔ ہر طرف ناراضگی کی لہر سی بکھری ہوئی تھی۔

سیمی فائنل والی رات قادر بھی بہت اُداس تھا۔ ظاہر ہے کہ میچ ہار جانے کا براہِ راست اثر ٹیم کے ممبران پر ہی پڑا تھا۔ غیر متوقع شکست نے ان کے اعصاب جھنجھنا دیے تھے۔ اس رات حسبِ معمول اس کے کئی دوست اس کے پاس آئے۔

"قادر یار اتنا افسوس کیوں کررہا ہے۔ کھیل ہے۔ اس میں ہار جیت تو ہوتی ہے۔" سرور نے اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر کہا۔

"بس جس چیز کا یقین ہو' وہ نہ ہو تو دکھ تو ہوتا ہی ہے۔"

"مان لیا مگر ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے ورلڈ کپ جب اللہ کی مرضی ہوگی تب ہی پاکستان آئے گا۔ جو ہوگیا' ہوگیا۔" جمشید اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"مگر لوگ بہت ناراض ہیں۔"

"یار ہمارا کراؤڈ بھی عجیب ہے۔ ہم میچ سے پہلے ہی یہ یقین کرلیتے ہیں کہ جیت ہماری ہوگی۔ ارے بھائی کھیل کھیل ہوتا ہے مقابلے میں ہمیشہ کوئی ایک جیتتا ہے اور ایک ہارتا ہے ہمیشہ تو ہم نہیں جیت سکتے۔ ہم اگر ٹیم جیت جائے تو اسے سر پر بٹھاتے ہیں اور اگر ہار جائے تو یوں جوتے مارتے ہیں کہ اس کے اگلے پچھلے سارے کارنامے ہی بھول جاتے ہیں۔" سرور سر جھٹک کر بولا "چل بہت ہوگئی ورلڈ کپ کی تقریر۔ آ اب نہاری کھا کر آتے ہیں۔"

"نہیں یار۔ تم لوگ جاؤ۔ میں ابھی نہیں جاسکتا۔"

"کیوں تو یہاں بیٹھ کر سوگ منائے گا۔" جمشید اسے گھور کر بولا۔

"نہیں یار' تم لوگ سمجھ نہیں رہے ہو۔ ابھی لوگ ناراض ہیں۔ اس وقت باہر جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔" قادر نے انہیں سمجھایا۔

"دیکھ قادر' آخر لوگوں کو فیس تو کرنا ہی پڑے گا نا' چل اب اُٹھ جا۔"

سب کے اصرار پر قادر کو تیار ہونا ہی پڑا۔ ریسٹورنٹ پہنچ کر نہاری منگوالی گئی مگر قادر وہاں غصے کی فضا صاف محسوس کررہا تھا جو لوگ اسے وہاں آتا دیکھ کر لپک کر آگے بڑھتے تھے' آج ناراض تھے۔

"سنا ہے آپ لوگ سیمی فائنل سے پہلے پوری رات جاگ کر جشن مناتے رہے تھے۔" ذرا فاصلے پر بیٹھے ہوئے چار لڑکوں میں سے ایک آخر کار قادر کے پاس آکر بولا۔

"نہیں یہ غلط ہے۔" قادر نے نرمی سے کہا "یہ خود ہمارے کیریئر کا معاملہ ہوتا ہے ظاہر ہے کہ ایسے میں ہم اتنے بے پروا تو نہیں ہوسکتے۔"

"خیر' گراؤنڈ میں سب کے سب جمائیاں تو لے ہی رہے تھے۔" دوسرا لڑکا بولا۔

"آپ لوگوں کے لئے تو صرف یہ ایک میچ کی شکست ہے مگر پاکستان تو ورلڈ کپ ہار گیا نا۔" ایک اور نے کہا۔

"تو کیا یہ صرف آپ کا نقصان ہے۔" قادر ہلکے سے غصے سے بولا۔

"آپ لوگوں کو تو سارے فوائد ملے ہی ہیں۔"

"اور دیکھو یار! معاملہ یوں نہیں ہے۔ اپنی ٹیم اتنی غیر ذمے دار نہیں ہے کہ میچ والے روز ایسی حرکت کرے۔" جمشید انہیں سمجھاتا ہوا بولا مگر لوگ کافی بھڑکے ہوئے تھے بہرحال وہ لوگ جلد ہی واپس آگئے۔

ورلڈ کپ کے حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ امپائر محبوب شاہ نے بیان کیا ہے۔ وہ نیوٹرل امپائرز کے بورڈ میں شامل تھے۔ محبوب شاہ کے تمام میچ بھارت میں تھے۔ اس دوران وہ اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے دربار میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ وہاں انہوں نے جو کچھ مانگا اور جو کچھ پایا اس کی تفصیل وہ خود یوں بتاتے ہیں "جیسے ہی ہم مزار پر پہنچے۔ متولی نے ہمارا استقبال کیا اور پاکستان کے مہمان قرار دے کر دستار بندی بھی کی جو بے انتہا اعزاز کی بات ہے پھر ہمیں احاطے میں موجود چھوٹی بڑی دیگیں دکھائیں پتا نہیں اس دیگ کو چھوٹا کیوں کہتے ہیں جس کے پیندے میں پڑے ہوئے کرنسی نوٹ کو پہچاننا مشکل ہوتا ہے کہ کتنے روپے کا ہے۔

حضرتؒ کے مزار کے اس حصے میں جہاں آپ محوِ خواب ہیں ہر وقت بے اندازہ ہجوم رہتا ہے یہاں ہر مذہب کے لوگ حاضری دیتے ہیں۔ حضرت خواجہ اجمیریؒ کے مزار شریف پر جو چھپر کھٹ نصب ہے وہ قیمتی دھاتوں سے بنا ہوا ہے اور تعویذ شریف کے چاروں اطراف دھات کی جالی ہے جس کے اندر کوئی نہیں جاسکتا۔ متولی صاحب ہمیں ہجوم سے بچا کر وہاں تک لے گئے' وہاں ہر طرف پھول ہی پھول تھے۔ میں وہاں پہنچ تو گیا تھا مگر ایک ایسے صاحبِ اقتدار سے مانگنا جس کا فیض صدیوں سے جاری و ساری ہے میرے لئے نیا تجربہ تھا۔ بجائے کچھ مانگنے کے میں گُنگ سا ہوگیا۔ متولی صاحب نے خود دعا مانگ کر تعویذ کے اطراف کی اس جالی کا تالا کھول دیا جو حضرتؒ کے قدموں کی جانب کھلتی ہے اور کہا کہ آپ لوگ تعویذ سے قریب تر ہو کر مانگنا چاہیں تو مانگ لیں۔ اس وقت تک میں نے ایک دعا سوچ لی تھی چنانچہ میں دوزانو ہو کر تعویذ کے قریب ہوگیا۔ اس وقت ہم ورلڈ کپ کے لئے ہندوستان گئے تھے اور کرکٹ کے سوا کچھ سوجھ بھی نہیں رہا تھا اس لئے میں نے دعا مانگی کہ "اے حضرتؒ میں آپ کے توسط سے رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے ورلڈ کپ کے سیمی فائنل میں امپائرنگ کا موقع مل جائے۔"

میں نے دعا مانگ لی تھی اور نہ جانے کیوں مجھے اس کی قبولیت کا یقین بھی تھا۔ وہیں میں نے حضرت اجمیریؒ کا وہ حجرہ بھی دیکھا جہاں آپ عبادت میں مصروف رہتے تھے یہیں وہ تخت، دستار، عصا، پوشاک، برتن اور کھڑاویں محفوظ ہیں جو آپ کے استعمال میں تھیں۔ چلتے چلتے متولی صاحب نے حضرتؒ کے مزار پر نچھاور ہونے والے پھولوں کے خشک کئے ہوئے تبرک کی شکل میں ایک نایاب تحفہ بھی دیا۔ ہمیں بتایا گیا کہ ان پھولوں کو خشک کرکے مختلف ممالک کے مسلمان بادشاہوں اور حکمرانوں کو ان کی فرمائش کے مطابق بھجوایا جاتا ہے۔

میں مزار سے واپس آگیا۔ وقت گزرتا گیا۔ سیمی فائنل کے میچوں کے امپائروں کا اعلان بھی ہوگیا جس میں میرا دور دور تک ذکر نہیں تھا۔ میں بہت مایوس ہوا مگر کیا کرسکتا تھا۔ سیمی فائنل ہو بھی گئے اب کلکتہ کا فائنل باقی تھا اس وقت ہم دہلی میں تھے اور ہماری پاکستان واپسی کے انتظامات ہورہے تھے کہ اچانک ہمارے پاسپورٹ مانگ لئے گئے کیونکہ فیصلہ ہوا تھا کہ واپس لوٹنے سے پہلے تمام افراد کلکتہ میں فائنل دیکھ کر جائیں گے اس لئے ہم سب دلی سے کلکتہ روانہ ہوگئے اور رات دو بجے کلکتہ پہنچے۔ ہم چاروں یعنی خضر حیات، امان اللہ خان، خالد عزیز اور مجھے ایک معمولی سے ہوٹل میں ٹھہرادیا گیا سوتے سوتے چار بج گئے۔ آنکھ لگتے ہی مجھے گہری نیند آگئی، خواب میں دیکھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی ہے اور دوسری طرف سے امان اللہ خان کہہ رہے ہیں کہ میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ تم فائنل کررہے ہو، مبارک ہو، میں نے شکریہ ادا کیا۔ جب صبح آنکھ کھلی تو خواب والی بات یاد آئی اور دروازے کے نیچے سے جھانکتا اخبار نظر آیا۔ یہ سوچتے ہوئے کہ کبھی کبھی خواب سچے بھی ہوجاتے ہیں لیکن کرمیں نے اخبار کھولا تو حیرانی کی انتہا ہوگئی کہ چوتھے ورلڈ کپ کے فائنل کے امپائرنگ کے فرائض مجھے اور رام بابو گپتا کو سونپے گئے تھے۔

خوشی اور حیرت کے اس ناقابل یقین تجربے سے جیسے ہی میں سنبھلا تو فوراً امان اللہ خان کو فون کرکے اپنا خواب سنایا، انہوں نے بتایا کہ یہ خواب نہیں تھا بلکہ حقیقت میں، میں نے تمہیں فون کیا تھا اور تم عجیب آدمی ہو شکریہ کہہ کر پھر سوگئے۔ یوں میری دعا پوری ہوئی اور مجھے سیمی فائنل کی جگہ فائنل مل گیا۔"

محبوب شاہ کی دعا تو پوری ہوگئی مگر کہنے والے کہتے ہیں کہ محبوب شاہ نے یہ دعا مانگ کر پاکستان کی شکست مانگ لی تھی کیونکہ اگر پاکستان فائنل میں پہنچتا تو محبوب شاہ ظاہر ہے کہ امپائرنگ نہیں کرسکتے تھے ایسے میں کسی دوسرے ملک کا امپائر ہی ہوتا۔ خیر یہ تو جملۂ معترضہ تھا۔

O☆O

۸۷ء کے ورلڈ کپ کے بعد ٹیم کے کھلاڑیوں کا مورال خاصا ڈاؤن تھا۔ ان پر ہونے والی سخت تنقید نے انہیں کافی حد تک مایوس کردیا تھا انہی دنوں میں پاکستانی کپتان عمران خان نے ریٹائرمنٹ کا اعلان بھی کردیا۔

"نہیں عمران، ابھی تم بہت کھیل سکتے ہو۔" قادر کو اس خبر سے بہت بڑا دھچکا پہنچا۔

"قادر کھیل تو سکتا ہوں مگر اب میں کچھ اور کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ذہن میں اب ایک اسپتال بس رہا ہے اور مجھے اس تصور کو حقیقت بنانا ہے۔" عمران کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"وہ ٹھیک ہے مگر ابھی تو وہ تکمیل کے مراحل سے بہت دور ہے اس صورت میں ٹیم میں رہ کر تم زیادہ کام کرسکتے ہو۔"

"مان لیا مگر میں نے فیصلہ کرلیا ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ میں فیصلے بدلا نہیں کرتا۔" عمران نے قطعیت سے کہا۔

قادریوں بھی قدرے ڈپریسڈ تھا۔ عمران کے ریٹائرمنٹ کے

امپائرز ۹۶ء

چھٹے ورلڈ کپ ٹورنامنٹ کے ۳۷ میچز میں امپائرنگ کرنے کے لیے ورلڈ کپ کمیٹی نے دنیا بھر سے ۱۴ معتبر امپائرز کو منتخب کیا۔ ان میں میزبان ممالک پاکستان، بھارت اور سری لنکا کے دو دو اور دیگر ٹیسٹ ممالک سے ایک ایک امپائر شامل ہے۔

ان امپائرز کے نام یہ ہیں۔ پاکستان سے محبوب شاہ اور خضر حیات، بھارت سے راماسوامی اور وینکٹ راگھون۔ سری لنکا سے کے ٹی فرانسس اور بی سی کورے، انگلینڈ سے ڈیوڈ شیپرڈ، آسٹریلیا سے اسٹیو رینڈل، نیوزی لینڈ سے اسٹیو ڈن، ویسٹ انڈیز سے اسٹیو بکنر، زمبابوے سے ایان رابنسن اور جنوبی افریقہ سے سائرل مچلی۔

آل راؤنڈر

ویسٹ انڈیز کے امپائر اسٹیو بکنر چھٹے ورلڈ کپ میں جزائر غرب الہند کی نمائندگی کریں گے۔ وہ پانچویں ورلڈ کپ میں بھی امپائرنگ کرچکے ہیں بلکہ فائنل میچ کے بھی نگراں وہی تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کرکٹ کے عمدہ ترین امپائرز میں شمار کیے جانے والے بکنر ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۳ء تک انٹرنیشنل فٹبال ریفری بھی رہے ہیں۔ بلکہ ورلڈ کپ فٹبال میں وہ ہالینڈ بمقابلہ ال سلواڈور میچ کے ریفری تھے۔

مبشر علی زیدی، کراچی

فیصلے نے اسے اور زیادہ پریشان کردیا تھا۔

"یار سب پر پریشانی کا دور آتا رہتا ہے۔ آپ کیوں اتنا ڈپریس ہیں۔" وسیم اکرم اگرچہ قادر سے جونیئر تھا مگر ان دونوں کی اچھی دوستی رہی تھی۔

"بس کبھی کبھار سرگوشیاں، الزامات پریشان کردیتے ہیں۔ یہ میرا ملک ہے میں نے اس کی سربلندی کے لئے محنت کی ہے پھر لوگ ایسے الزامات کیوں لگاتے ہیں جنہیں سننا بھی تکلیف دہ لگتا ہے۔ کبھی یہ کہتے ہیں کہ میں عمران کا چمچہ ہوں تو کبھی یہ الزامات لگاتے ہیں کہ میں نے ورلڈ کپ کھیلنے کے لئے بورڈ سے گیارہ لاکھ روپے زبردستی لئے۔ یہ بورڈ مرتے ہوئے کھلاڑیوں کو تو پوچھتا نہیں مجھے گیارہ لاکھ کیا دے گا۔" قادر کے لہجے میں تلخی گھل گئی۔

"دنیا میں ہر جگہ اچھے برے لوگ ہوتے ہیں اور ہر شعبے میں اچھی بری باتیں ہوتی ہیں تو پھر کیا انسان دل چھوڑ کر بیٹھ جائے آپ بھی کمال کرتے ہیں قادر بھائی۔" اکرم نے قادر کی پیٹھ تھپکی۔

انہی دنوں قادر نے انگلینڈ کے خلاف ہوم سیریز میں اپنی زندگی کی سب سے بہترین کارکردگی دکھائی۔ اس تین میچوں کی سیریز میں قادر نے نہ صرف اپنے کیریئر کا سب سے بڑا اسکور ۶۱ رنز بنایا بلکہ ۵۶ رنز دے کر ۹ وکٹیں بھی لیں۔ شاید یہ اس کے اندر پلتا غصہ تھا جو انگریز کھلاڑیوں پر بن بادل برسات بن کر برس گیا تھا۔

۸۸۔۸۷ء میں قادر پہلی اور آخری بار ویسٹ انڈیز گیا اور کالی آندھی سے ان کی سرزمین پر دو دو ہاتھ کئے مگر اس سے کچھ عرصہ پہلے ہی اسے ایک شام وہ خبر ملی جسے سن کر وہ اچھل ہی پڑا تھا۔

"واقعی، عمران نے یہی کہا ہے؟" اس نے ٹیلی فون پر زور سے پوچھا۔

"ہاں وہ مان گیا ہے۔ صدر ضیاء الحق نے بات ہی اتنے مؤثر انداز میں کی تھی کہ وہ انکار نہ کرسکا۔" دوسری طرف سے اکرم نے بتایا۔

"یہ تو بڑا کارنامہ ہوگیا۔" قادر نے جواب دیا۔

عمران کی واپسی یوں تو اس کے پرستاروں کے لئے بہت بڑی خوشی تھی مگر قادر اس واپسی سے سب سے زیادہ خوش تھا۔ اسے عمران سے دلی لگاؤ ہوگیا تھا ایک ایسی محبت جو اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔ وہ احسان کا مطلب سمجھتا بھی تھا اور اسے یاد بھی رکھتا تھا اسی لئے اس نے عمران کے احسانات کو اپنے سینے پر لکھ رکھا تھا۔

یوں ۸۸۔۸۷ کے ویسٹ انڈیز ٹور میں پاکستانی ٹیم کی قیادت ایک بار پھر عمران خان کے سر تھی۔ ویسٹ انڈیز کے دورے میں پاکستان کی کارکردگی بہت اچھی رہی تھی اگر ان دنوں نیوٹرل امپائر کا فارمولا لاگو ہوچکا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ پاکستان ویسٹ انڈیز کی سرزمین پر ویسٹ انڈیز کو بھی ہرا دیتا مگر پھر بھی پاکستان کی پرفارمنس بہت اچھی رہی۔ قادر نے تیز وکٹوں کی اس سرزمین پر ۱۴ وکٹیں لیں اس کی بہترین کارکردگی ۸۳ رنز کے عوض ۴ وکٹوں کا حصول تھا۔

اکتوبر ۸۹ء میں شارجہ چیمپئنز ٹرافی میں بھارت پاکستان اور ویسٹ انڈیز نے حصہ لیا۔ پاکستان اس ٹورنامنٹ میں کوئی میچ نہیں ہارا۔ جس کے فوراً بعد بھارت میں نہرو کپ میں پاکستان نے ویسٹ انڈیز کو شکست دی۔ وہ دور پاکستانی ٹیم کی فتوحات کا دور تھا۔ پاکستان کی ٹیم بیٹنگ میں قدرے کمزور تھی مگر بالنگ کے حساب سے وہ دنیا کی طاقتور ترین ٹیم بن چکی تھی۔ قادر ہر میچ میں بہترین پرفارمنس دے رہا تھا، فرسٹ کلاس میں وہ سال میں ۱۰۰ وکٹیں لے چکا تھا۔

انہی دنوں قادر کو گریگ چیپل کی طرف سے ایک آفر موصول ہوئی۔

"قادر یہ ایک اچھا موقع ہے اور تم اس کو گنواؤ نہیں، تم جانتے ہو کہ چانس کتنے کم لوگوں کو ملتا ہے پاکستان میں کتنے اچھے اچھے کھلاڑی ہیں مگر آسٹریلیا کے لئے کھیلنے کا اعزاز صرف عمران خان کو ملا ہے اور تم دوسرے کھلاڑی ہو جسے یہ آفر کی گئی ہے۔" چیپل نے فون پر اس سے کہا "تمہیں میرا فارم اور خط مل چکا ہوگا۔"

"ہاں مل تو گیا ہے مگر....."

"تم نہیں بدلے پھر وہی مگر... یہ ایک بہت اچھا چانس ہے فارم بھردو فوراً۔"

"چیپل تمہیں معلوم ہے نا کہ میں کاؤنٹیز کیوں نہیں کھیلتا۔ یہ میرے اصول کے خلاف ہے میں اسے اپنی پریکٹس کا نقصان سمجھتا ہوں۔" قادر نے جواب دیا۔

"وہ کس طرح بھلا؟"

"ظاہر ہے کہ میں اپنی پریکٹس کا وقت دوں گا اور دوسروں کو کھلاؤں گا تو نقصان تو ہوگا ہی۔" قادر نے اپنی عجیب و غریب پالیسی بتائی۔

"او کے۔ میں سمجھ نہیں پایا۔ بہرحال تم فارم دیکھ لینا اور اگر تم دلچسپی محسوس کرو تو فارم بھر دینا۔" چیپل نے اس کے بعد فون بند کردیا۔

یہ واقعی ایک بڑا موقع تھا مگر قادر اپنی جگہ اڑا ہوا تھا۔ اس نے چیپل کا بھیجا ہوا فارم سنبھال کر رکھ ضرور لیا مگر اس کا ارادہ اسے بھرنے یا آسٹریلیا بھیجنے کا ہرگز نہیں تھا۔

۸۹۔۱۹۸۸ء میں پاکستانی ٹیم نیوزی لینڈ کے دورے پر گئی۔ اس دورے میں ٹیم کے کپتان عمران خان ہی تھے۔ قادر نے اس میچ میں ۸ وکٹیں لی تھیں اور ۱۴۰ رنز دے کر ۶ وکٹ بہترین کارکردگی رہی تھی۔ اس میچ میں ہی قادر کا بیٹنگ کا ایک دلچسپ ریکارڈ بنا تھا یعنی ۲ میچوں میں سے قادر کو ایک اننگ میں کھیلنے کا موقع ملا جس میں وہ بغیر کوئی رن بنائے ناٹ آؤٹ رہا تھا۔

نیوزی لینڈ میں پاکستانی موجود ہیں مگر بہر حال ان کی تعداد لندن سے کم ہی ہے مگر وہاں آکلینڈ میں قادر کا ایک عجیب معاملے سے واسطہ پڑ گیا تھا۔ وہ لوگ آکلینڈ میچ کے بعد ایک چھوٹا موٹا جشن منا رہے تھے۔

"عمران تمہیں آج ایک زبردست دعوت دینی چاہئے تھی۔" قادر شرارت سے بولا۔

"جی ہاں لیڈز جیسی نا؟" عمران نے پوچھا۔

"نہیں خیر اس سے تھوڑی کم۔ بھئی آخر تم نے تین ہزار رنز مکمل کئے ہیں بہر حال جشن تو ہونا ہی چاہئے۔" میانداد بھی سرہلا کر بولا "اچھا خیر میں عمران کی طرف سے کل آپ کو دعوت دے رہا ہوں میں آپ کے لئے اپنی خاص چکن کڑاہی بناؤں گا' ٹھیک ہے۔"

"اوہ ویری گڈ۔ اب مجھے بھی تین ہزار رنز مکمل کرنے کا مزہ آرہا ہے۔" عمران ہنس کر بولا۔

"میانداد زندہ باد۔" دو تین لڑکے باقاعدہ نعرہ مار کر بولے۔

"قادر بھائی۔ آپ یہاں گپیں مار رہے ہیں نیچے ایک عجیب و غریب چکر آپ کا انتظار کر رہا ہے۔" اکرم کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔

"کیسا چکر؟" قادر نے پوچھا۔

"نیچے کوئی خاتون آئی ہوئی ہیں مجھ سے ان کی بات ہوئی ہے ان کا کہنا ہے کہ وہ مسز قادر ہیں۔"

"کیا؟" قادر فوراً کھڑا ہو گیا "مینا اور یہاں؟ وہ یہاں کیسے آسکتی ہے۔"

"میرے خیال میں وہ بھابی تو نہیں ہو سکتیں۔" اکرم کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"میں جا کر دیکھتا ہوں۔" قادر جانے کو کھڑا ہوا۔

"نہیں میرا خیال ہے تم یہیں رکو۔ اکرم تم ان خاتون کو اوپر بلالو۔" عمران نے کہا "نیچے نہ جانے کیا معاملہ بنے یہاں کمرے میں بات کرنا زیادہ مناسب ہے۔" عمران کے کہنے سے قادر بھی رک گیا۔

کچھ دیر بعد اکرم ایک خاتون کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ قادر کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ وہ مینا نہیں تھی۔

"جی فرمایئے۔" عمران اسے دیکھ کر بولا۔

"جی میں شمع ہوں۔ ان کی بیوی۔" وہ قادر کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"یہ کیا بکواس ہے۔" قادر غصے میں بولا۔

"ہولڈ آن قادر۔ شمع بی بی قادر کی ایک بیوی ہے اور وہ آپ نہیں ہیں پھر آپ یہ دعویٰ کیسے کر سکتی ہیں؟" عمران بولا۔

"وہ ان کی پہلی بیوی ہیں اور مجھ سے انہوں نے ابھی شادی کی ہے۔" وہ شرما کر بولی۔

"ابھی یعنی نیچے آپ سے شادی کی ہے..... آپ نے۔ مجھ سے؟" قادر ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔

"نہیں صرف دو سال پہلے۔ کیا آپ بھول گئے؟"

"عمران اب یہ بہت بڑھ رہی ہے اور تم سنو مس شمع' قادر چھپ چھپا کر کوئی کام نہیں کرتا اور میں مینا کے سوا کسی سے شادی کا تصور نہیں کر سکتا۔"

"آپ چاہے نہ مانیں مگر میں اب یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔ بہت دن آپ سے دور رہ لی' اب میں آپ کے ساتھ ہی جاؤں گی۔"

"آخر تم ہو کون؟" قادر الجھ کر بولا۔

"بتایا تو ہے شمع آپ کی بیوی۔"

"دیکھو میں یہ جانتا ہوں بلکہ مانتا ہوں کہ کوئی مسلمان عورت خود کو خواہ مخواہ کسی کی بیوی نہیں کہہ سکتی۔ یہ بات میں جانتا ہوں کہ میں نے تم سے شادی تو کیا تمہاری شکل بھی پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ کیا تم مجھے یہ بتاؤ گی کہ تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟"

"میں وجہ بتا چکی ہوں۔" وہ سادگی سے بولی۔

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں۔" قادر غرا کر بولا۔

"آپ اتنے جنگلی نہیں ہو سکتے۔" وہ اب بھی ڈراما جاری رکھے ہوئے تھی۔

"اب یہ سب میری برداشت سے باہر ہے۔" قادر غصے میں کھڑا ہو گیا' اسے کھڑا ہوتا دیکھ کر شمع کے چہرے پر ہلکی سی گھبراہٹ نظر آئی پھر وہ دروازے کے قریب جا کر زور سے بولی

"بھئی آپ اندر آجائیں ورنہ آپ کے دوست مجھے نیچے پھینک دیں گے۔" اس کی آواز کے بعد دروازے پر دستک ہوئی اور پھر ایک شخص اندر داخل ہوا اور قادر کے سامنے آکھڑا ہوا۔ قادر اسے چند لمحے غور سے دیکھتا رہا تھا۔

"اوہ.... امجد.... کہاں کھو گیا تھا تو.... دیکھ تیرا لگایا ہوا پودا کہاں تک آپہنچا ہے۔" قادر ایک نعرے کے ساتھ اس کے گلے لگ گیا۔

"یہی تو دیکھنے آیا تھا میں۔ میں کئی سال سے یہاں آکلینڈ میں ہوں۔ تمہارے آنے کی خبر سن کر مجھ سے رہا نہیں گیا۔ شمع سے میں نے ذکر کیا تو ہم نے تمہیں شاک پہنچانے کے لئے ایک ڈراما بنایا۔ یار تو آج بھی اتنا ہی گھامڑ ہے لڑکیوں کے معاملے میں۔" امجد اسے قوت سے لپٹاتے ہوئے بولا۔

"تو یہ تمہاری....."

"ہاں یار بھابی ہے تیری مگر اداکاری کی شوقین ہے۔ کبھی کبھار اسٹیج بھی کر لیتی ہے۔"

"آداب۔" شمع شرارت سے مسکرائی "قادر بھائی کو مجھ پر اتنا سخت غصہ آرہا تھا کہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اگر چند لمحے میں نے اور

آپ کو نہیں بلایا تو یہ مجھے باہر پھینک دیں گے۔"

"بس دراصل آپ نے بات ہی ایسی کی تھی کہ مجھے غصہ آنا ہی تھا۔"

"کوئی بات نہیں قادر بھائی۔ یہ بات اچھی ہے کہ آپ کو غصہ آیا۔ آپ کی وائف یقیناً بہت خوش نصیب ہے کہ آپ اتنے گلیمر میں رہنے کے باوجود ان سے اتنی محبت کرتے ہیں۔" شمع اس بار سنجیدگی سے بولی۔

امجد سے مل کر قادر اتنا خوش ہوا تھا کہ اس کا سب سے تعارف کرانا ہی بھول گیا تھا اس کے بعد وہ جب تک نیوزی لینڈ میں رہا امجد سے مسلسل ملتا رہا۔ وہ یہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا کہ اسے اس مقام تک لانے والا پہلا قدم امجد نے ہی اٹھانا سکھایا تھا اگر وہ اسے کرکٹ کی طرف نہ لاتا تو قادر شاید آج لیگ اسپنر عبدالقادر نہ ہوتا۔ بلکہ شاید کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ امجد ہی تھا جس نے اس کی توجہ کنچوں سے ہٹا کر اسے کرکٹ کا گیند بلا تھمایا تھا۔

وقت کا کام گزرنا ہے' وقت اچھا ہو یا برا۔ بہرحال گزر جاتا ہے اس کی صرف یاد باقی رہ جاتی ہے۔

۹۱-۱۹۹۰ء میں ویسٹ انڈیز کے خلاف کھیلتے ہوئے قادر نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ ٹیسٹ اس کے کیریئر کا آخری ٹیسٹ بھی ہو سکتا ہے۔ اس تین میچوں کی سیریز میں قادر بہت اچھی کارکردگی نہیں دکھا سکا تھا۔ اس نے ۱۷۲ رنز دے کر ۲ وکٹ لیں جبکہ جو دو اننگ اس نے کھیلیں ان میں وہ صرف ایک ایک رن بنا سکا تھا۔

تقریباً ایک سال سے قادر اپنے بائیں پیر میں' بھاگتے ہوئے بال کرتے ہوئے تکلیف سی محسوس کر رہا تھا۔ وہ اس سے پہلے کئی بار بورڈ والوں سے اس کا ذکر کر چکا تھا مگر پاکستان کرکٹ کنٹرول بورڈ اس معاملے میں پولیس سے بہت متاثر ہے جو قتل ہو جانے کے بعد تو تفتیش پر یقین رکھتی ہے لیکن اس سے پہلے اپنی جگہ سے ہلنا بھی پسند نہیں کرتی۔ خود قادر مصروفیات کی چک پھیری میں کچھ اس طرح پھنسا ہوا تھا کہ وہ چیک اپ بھی نہیں کرا پایا۔ ان ہی دنوں اس نے دھرم پور میں بڑا پلاٹ لے کر گھر' دفتر اور اسٹور کا کام مکمل کرایا تھا۔ یہ اس کی ہمیشہ سے خواہش تھی کہ وہ کھیلوں سے متعلق اشیا کا اسٹور کھولے اور فراغت پاتے ہی وہ یہ کام کر گزرا تھا۔ اس اسٹور کا نام اس نے عمران قادر اسپورٹس اسٹور رکھا تھا اور اس کے افتتاح کی کہانی بھی کچھ کم دلچسپ نہیں ہے۔ یوں تو اسٹور کا افتتاح عمران خان نے کیا تھا مگر ویسٹ انڈیز کی ٹیم بھی اس افتتاح میں اس کی مہمان بنی تھی۔ جس روز عمران قادر اسٹور کا افتتاح ہوا اس روز وہاں پورا لاہور امڈ آیا تھا۔ کرکٹ کے شائقین نے وقت سے پہلے وہاں ڈیرے ڈال دیے تھے اور مہمانوں کو وہاں تک پہنچانے کے لئے قادر کو متبادل راستہ اختیار کرنا پڑا تھا۔

قادر کے لئے وہ اسٹور اس کا مستقبل تھا اور وہ کرکٹ کے ساتھ ساتھ اسے سنوارنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ اسی دوران اسے پاکستان الیون کے لئے انڈیا کے خلاف میچ کھیلنے انگلینڈ جانا پڑا۔ یہ فرسٹ کلاس میچ تھا اور اس میں پاکستانی ٹیم کے تمام اسٹارز کھیل رہے تھے۔ قادر صبح ہی سے خود کو کچھ ان فٹ محسوس کر رہا تھا مگر اس نے اپنی اس کیفیت کا کسی سے اظہار نہیں کیا۔ کھیل شروع ہو گیا۔ بھارت کے خلاف کھیلتے ہوئے یوں بھی کھلاڑیوں میں ہمیشہ جوش و خروش زیادہ ہی ہوتا ہے۔ زبان ایک ہونے کی بنا پر جملے بازی کا لطف بھی زیادہ آتا ہے۔ قادر بال کرانے کے لئے اپنے اینڈ سے دوڑا ہی تھا کہ اسے اپنے پیر سے کٹ کی عجیب سی آواز سنائی دی۔ وہ سنبھلنے کی کوشش کے باوجود رک نہیں پایا اور لڑکھڑا کے زمین پر گر گیا۔ اس کے پیر میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہ درد اس کی کھال کو پھاڑ دے گا' اس کے وجود کو تہس نہس کر دے گا۔

اسے زمین پر گرتا دیکھ کر تمام کھلاڑی اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

"کیا ہوا قادر؟"

"غالباً موچ آ گئی ہے۔"

"نہیں اسے بہت شدت کا درد ہو رہا ہے بھگوان خیر کرے۔" کپل دیو بولے۔

"قادر پیر مت ہلاؤ۔" عمران زور سے بولا۔ اتنی دیر میں فرسٹ ایڈ اور ڈاکٹرز گراؤنڈ پر پہنچ گئے تھے۔

"ہمیں انہیں اسپتال لے جانا ہوگا۔" ڈاکٹر ابتدائی چیکنگ کے بعد بولا۔ یوں چند لمحے بعد ہی قادر جو کہ وکٹ پر چیتے کے مانند قلانچیں بھر رہا تھا ایمبولینس میں اسپتال کی جانب جا رہا تھا۔ اس کے درد کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے درد کم کرنے والی دوائیں بھی دی تھیں اور تکلیف کا احساس کم کرنے والا انجکشن بھی لگایا تھا۔ درد بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی والا معاملہ اس پر صادق آ رہا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔ اپنے پورے کیریئر میں ایک دو معمولی انجریز کے سوا قادر کبھی بھی نہ تو خطرناک طور پر زخمی ہوا تھا اور نہ ہی کسی فریکچر کا شکار ہوا تھا۔ حالانکہ کرکٹ اور انجریز میں چولی دامن کا ساتھ کہا جاتا ہے مگر ایک تو قادر فاسٹ بولر نہیں تھا دوسرے اس پر اس معاملے میں خدا کی خاص مہربانی رہی تھی۔

"تو یہ بھی ہونا تھا۔" وہ دل ہی دل میں بڑبڑایا۔ نہ جانے اسے کیا ہوا ہوگا۔ اسے اسپتالوں' ڈاکٹروں اور دواؤں سے ہمیشہ خوف سا آتا تھا۔ بچپن میں بھی وہ ڈاکٹر بلکہ حکیم صاحب کے پاس جاتے ہوئے بھی کتراتا تھا یوں بھی چھوٹی موٹی بیماریوں کا علاج تو ان کے ہاں دعاؤں سے ہی کر لیا جاتا۔ بڑا ہونے کے بعد بھی اسے ڈاکٹر اور انجکشن دونوں لفظوں سے خوف آتا تھا۔ اتنا بڑا ہونے کے باوجود

اس کے دل میں انجکشن کا خوف اسی طرح جاگزیں تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اب وہ اس خوف کو چھپانے میں ماہر ہو چکا تھا۔

اب زخمی حالت میں اسپتال جاتے ہوئے درد کے ساتھ ساتھ اسے اس بات کی فکر بھی لاحق تھی کہ نہ جانے اسے کتنے انجکشن لگائے جائیں گے۔ نہ جانے کیا کیا کیا جائے گا۔ یوں انگلینڈ کے اسپتال سہولتوں اور علاج معالجے کے معاملے میں ظاہر ہے کہ پاکستان کے اسپتالوں سے بہت بہتر ہیں اور وہاں کا نظام بھی بہت اچھا ہے مگر درد بہرحال درد ہوتا ہے۔ اسپتال پہنچتے ہی اسے ڈاکٹرز اور نرسز نے گھیر لیا تھا۔ اسے نہایت چابک دستی سے اسٹریچر پر منتقل کردیا اور لمحوں میں اس کے سامنے سے اس کے سارے ساتھی غائب ہوگئے تھے۔ ڈاکٹرز اسے فوراً اندر لے گئے جہاں اسے نہ صرف مختلف دوائیں دی گئیں بلکہ اس کے مختلف ٹیسٹ بھی شروع ہوگئے تھے کچھ دیر بعد دواؤں نے اپنا اثر دکھایا تھا اور قادر کی نظروں کے سامنے موجود سارے مناظر بے ہوشی کی دھند میں کھو گئے۔

اسے دوبارہ ہوش آیا تو شعور میں جاگنے والا پہلا احساس درد کا تھا۔ غیر شعوری طور پر اس نے پیر ہلایا مگر اسے حرکت نہ دے سکا۔ اس کا بایاں پیر پٹیوں اور کھپچیوں سے بندھا ہوا تھا۔ وہ لرز کر رہ گیا۔ برسوں وہ ان پیروں کو استعمال کرتا رہا تھا ان سے اس نے میلوں کا سفر طے کیا تھا تانگوں اور بسوں پر لٹکا تھا۔ ٹھوکریں ماری تھیں، بھاگتا دوڑتا رہا تھا مگر آج ایک ذرا سی چوٹ نے اسے اس حد تک مجبور کردیا تھا کہ اس کا پیر اس کے احکامات کی حد سے باہر نکل گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مشین کے ایک کل پُرزے میں آنے والے ذرا سے فرق نے اسے اپنی حیثیت یاد دلادی تھی واقعی انسان خود پر اتنا غرور کرتا ہے مگر وہ ہے کیا؟ کچھ بھی... کچھ بھی تو نہیں، اس نے تاسّف سے سوچا۔

کمرے میں نرسوں کے علاوہ کئی ڈاکٹرز موجود تھے کچھ دیر میں ایک بوائے نے آکر کوئی اطلاع دی اور پھر کمرے میں ڈاکٹر ہارون داخل ہوئے۔ ڈاکٹر ہارون جانے مانے ہوئے ڈاکٹر تھے خصوصاً ہڈیوں کے معاملے میں وہ بہت تجربہ کار تھے۔ عمران کے فریکچرز اور پھر انجریز کے دوران قادر ان سے مل چکا تھا۔

"ہیلو ینگ بوائے۔ ہاؤ آر یو (کیسے ہو)" وہ اسے دیکھ کر مسکرائے۔

"ناٹ گُڈ۔" قادر بمشکل بولا۔

"گھبراؤ مت سب ٹھیک ہوجائے گا، چوٹ وغیرہ تو لگتی ہی رہتی ہے۔ وہ کہا ہے نا کسی نے کہ گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں۔" وہ اس کی رپورٹ دیکھتے ہوئے بولے "تم تو کھلاڑی ہو تمہیں تو بالکل ہی نہیں گھبرانا چاہئے۔ ہے نا بھلا، یہ چھوٹی موٹی چیزیں تمہارا کیا بگاڑ سکتی ہیں۔" وہ اس کا معائنہ بھی کرتے جارہے تھے۔

"مگر سر میرے پیر کو ہوا کیا ہے؟ میں اسے حرکت نہیں دے پا رہا ہوں۔ درد بالکل آری کی طرح پیر کاٹنے لگتا ہے جب بھی ہلکا سا ہلتا ہوں۔"

"اس پیر کو ہلاؤ مت۔ بھئی تھک گیا ہے بے چارہ۔ تم نے بھی تو اسے اتنا دوڑایا ہے، مشین بھی جب مستقل چلتی ہے تو اس کے کل پُرزے جواب دینے لگتے ہیں پھر جانتے ہو اس کی عمر کیسے بڑھائی جاتی ہے؟ اس کی مستقل اور باقاعدہ چیکنگ کرکے۔ تاکہ اگر کہیں کوئی فلو آنے لگے تو اس کا بروقت پتا چل جائے اور بڑا نقصان نہ ہو۔ مگر ہمارے ہاں لوگ اپنے بارے میں بھی اس طرح نہیں سوچتے۔ صحت مند آدمی کو بھی سال کے سال چیک اپ کرانا چاہئے ہمارے ہاں کتنے لوگ کراتے ہیں؟ یقیناً تم نے بھی کبھی نہیں کرایا ہوگا۔ تمہارے پیر کی چوٹ یکدم نہیں سامنے آئی ہے اس کی حالت بتا رہی ہے کہ یہ تکلیف عرصے سے ہے، ہوسکتا ہے کہ تمہیں محسوس نہ ہوا ہو مگر تم چیک اپ کرالیتے تو اچھا تھا۔" وہ نرم لہجے میں بولے۔

"مگر ہوا کیا ہے۔ میرے پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے؟" قادر نے پوچھا۔

"تمہارا ٹینڈن ٹوٹ گیا ہے۔" انہوں نے نارمل لہجے میں بتایا "اور تمہیں معلوم ہے نا کہ یہ پیر کے لئے کتنا اہم ہے۔ ہمیں اسے ٹھیک کرنا ہے اور یہ ٹھیک ہوجائے گا مگر تمہیں صبر اور برداشت سے کام لینا ہوگا۔ او کے۔" وہ اسے سمجھا کر بولے۔

"مجھے صحیح ہونے میں کتنا وقت لگے گا؟" قادر نے پوچھا۔

"یہ تم پر منحصر ہے۔ ٹینڈن کے آپریشن کے بعد تم جتنا تعاون کرو گے، دوائیں لو گے، احتیاط کرو گے اتنی ہی جلد ٹھیک ہوجاؤ گے۔"

ان کے جانے کے بعد قادر گہری سوچ میں کھو گیا تھا۔ ٹینڈن ٹوٹنے کا مطلب میجر آپریشن تھا اور وہ یہ بخوبی سمجھتا تھا کہ وہ اس وقت کیریئر کے جس موڑ پر تھا اس میں وہ فیلڈ سے زیادہ دیر باہر نہیں رہنا چاہتا تھا۔ وہ سترہ سال سے کرکٹ کھیل رہا تھا ابھی اس کے پاس انٹرنیشنل کرکٹ کے چند سال تھے اور وہ ان چند سالوں میں اپنے مزید ریکارڈ بنانا چاہتا تھا ایسے میں یہ انجری ظاہر ہے کہ اس کے لئے کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔

"ہیلو.... قادر۔" میانداد اور دیگر ساتھیوں کی آواز پر اس نے چونک کر کمرے میں دیکھا۔

"کیا حال ہیں باس۔" اکرم اس کے قریب آکر بولا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا قادر تم فکر مت کرو۔" میانداد نے کہا "ڈاکٹر ہارون بہت منجھے ہوئے ڈاکٹر ہیں ان کے ۱۰۰ فیصد کیس کامیاب ہوتے ہیں۔"

"ہاں۔"

"تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟" عمران نے اس سے پوچھا۔

"میرے گھر سے کوئی کال وغیرہ؟" قادر نے پوچھا۔

"ہاں۔ تمہارے زخمی ہونے کی خبر انہیں مل گئی تھی۔ یہاں تمہارے کمرے میں بھی بعد میں فون آجائے گا ابھی ڈاکٹرز کا خیال ہے کہ اس طرح تم ڈسٹرب ہو گے۔ تمہارا بھائی اور تمہاری وائف یہاں آرہے ہیں۔ میں نے انہیں اس لئے منع نہیں کیا کہ میرے خیال میں تمہیں ان کی ضرورت پڑے گی۔" عمران نے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔" قادر نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ خود کو بہت تنہا محسوس کر رہا تھا ظاہر ہے کہ دوست اور ساتھی دن میں ایک بار وزٹ ہی کر سکتے تھے اس سے زیادہ کی توقع وہ ان سے کر بھی نہیں سکتا تھا جبکہ تکلیف میں یوں بھی انسان کو ہمیشہ اپنا گھر ہی یاد آتا ہے۔ ان دو تین دنوں میں اس نے بھی گھر کو بہت یاد کیا تھا۔

"اور بورڈ۔ انہوں نے کوئی بات کی؟" قادر نے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی ان سے بات نہیں ہوئی لیکن وہ یقیناً رابطہ کریں گے۔" عمران نے اسے تسلی دی۔ قادر کا آپریشن ایک دن بعد ہونا طے پایا تھا۔ اگلے روز ہی مینا اور غلام حیدر بھی وہاں پہنچ گئے۔

"اوہ یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔" مینا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"یہ سب تو کھیل میں چلتا ہی رہتا ہے۔ تم بتاؤ بچے کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں' اماں وغیرہ بھی ٹھیک ہیں۔ مگر یہ سب ہوا کیسے؟"

"یقین کرو میں بھی اتنا ہی جانتا ہوں کہ جتنا تمہیں معلوم ہے بس بھاگتے بھاگتے شدید درد کا احساس ہوا اور میں یہاں پہنچ گیا۔" قادر نے مسکرانے کی کوشش کی۔

آپریشن کے بعد تقریباً ۲۴ گھنٹے تک وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ ہوش واپس آئے تو اپنے ساتھ درد کا مانوس چہرہ بھی جگا گئے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ درد اب اس کا ساتھی بن گیا ہو۔

"مبارک ہو مسٹر قادر۔ آپ کا آپریشن کامیاب رہا ہے۔" ڈاکٹر ہارون کی آواز اسے درد کے غار سے کھینچ لائی۔

"ہاں درد تو ہو گا۔ ابھی سسٹر آپ کو انجکشن لگا دے گی اس کے بعد درد کا احساس کم ہو جائے گا مگر خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ درد وغیرہ اب سب معمول کی بات ہے۔ اصل مسئلہ حل ہو گیا ہے بس چند مہینوں میں آپ پھر سے بھاگنے دوڑنے لگیں گے۔"

"مہینوں بعد۔"

"ہاں اسے یوں سمجھ لیجئے کہ پیدا ہونے کے بعد آپ سال ڈیڑھ سال بعد ہی چلنا شروع کرتے ہیں نا تو اب اس آپریشن کے بعد دو یا تین مہینے تو لگیں گے ہی۔" ڈاکٹر ہارون نے اسے سمجھایا "بس ہمت مت ہاریں اللہ پر بھروسا رکھیں اور میری بات پر یقین رکھیں کہ اوپر والے نے سب کچھ ٹھیک کر دیا ہے۔"

"تھینک یو ڈاکٹر۔" قادر ان کا ہاتھ دبا کر گرم جوشی سے بولا۔ ٹینڈن کی اس تکلیف پر قابو پاتے پاتے قادر کو واقعی کئی مہینے لگ گئے تھے۔ اسپتال سے رخصت مل جانے کے بعد بھی وہ وہاں کئی ہفتے رہا اس کے بعد وہ اور مینا واپس آگئے تھے یہاں آکر بھی اس کی فزیو تھراپی مسلسل جاری تھی۔ آپریشن کے بعد دوبارہ چلنے سے پہلے ڈاکٹر ہارون کی بچپن والی مثال عمل میں بالکل صحیح ثابت ہوئی تھی۔ مہینوں بعد بھی قادر پہلے بیساکھی اور پھر چھڑی کے سہارے چل پایا تھا اسے بالکل یہ ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دوبارہ چلنا سیکھ رہا ہو۔ بیماری کے ان دنوں نے اسے بہت سے تجربات دیئے تھے اسے بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کے دوست اور ساتھی تو خیر کئی مرتبہ اس کی تیمارداری کے لئے آئے تھے مگر کرکٹ کنٹرول بورڈ جس کے ساتھ اس نے سترہ برس تک کام کیا تھا اس نے اسے اس کی چوٹ پر ایک خط تک نہیں لکھا تھا۔ بذاتِ خود کسی رکن کا آکر افسوس کرنا تو دور کی بات ہے ان کا ایک فون تک نہیں آیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ یہ بھول گئے ہوں کہ قادر نامی ایک کھلاڑی پاکستان کے لئے برسوں سے کھیل رہا ہے یا اس کا کرکٹ سے کوئی تعلق بھی ہے۔

کسی حد تک صحت مند ہونے کے بعد قادر نے بورڈ کو اپنے میڈیکل بل بھیج دیئے تھے مگر اس کے بعد بھی اسے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

"آخر بورڈ والوں کی اس خاموشی کا مقصد کیا ہے میں نے بل بھیجے ہیں تب بھی انہوں نے کوئی رد عمل نہیں دیا۔" عمران اس سے ملنے آیا تو اس نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔

"تمہیں ان کا طریقۂ کار تو معلوم ہی ہے تم خود جنرل زاہد سے بات کرو۔" عمران نے اسے مشورہ دیا۔

"عمران مجھے اس بات کا واقعی بہت دکھ ہے کہ مجھے چوٹ لگی۔ میں تکلیف میں تھا' غیر ملکوں کے لوگ مجھ سے ملنے آئے۔ ڈھیروں خطوط ملے مجھے مگر خود... میرے بورڈ نے مجھ کو عیادت کے ایک خط کے لائق بھی نہیں سمجھا۔ کیا کھلاڑیوں کی اتنی وقعت بھی نہیں ہے۔ ہم اپنی ساری عمر سارا وقت ساری صحت ملک کو دیتے ہیں کیا اس کے بعد ہمارا اتنا حق بھی نہیں ہے۔"

"کام ڈاؤن (ٹھنڈے ہو جاؤ) خود پر قابو رکھو قادر۔ یہ تو سوچو کہ تم کن لوگوں سے کس چیز کی توقع کر رہے ہو انہوں نے تم سے پہلے لوگوں کے ساتھ کیا کیا ہے جو تمہارے لئے کریں گے۔ یہ زور آور کے دوست ہیں اور بس...."

"مگر اتنے برس تو کوئی کتا بھی پال لے تو اس سے اس طرح بے نیاز نہیں ہو سکتا۔" قادر کی آواز بھرا گئی "بھلے یہ اور کچھ نہ کرتے مگر انسانیت اتنی تو ہوتی ہے کہ ایک فون کر لیا جائے۔"

"انہوں نے آغا صادق صاحب کے ساتھ کیا کیا ہے؟ جانتے ہو نا تم۔ کیا آدمی تھے وہ اور کس حالت میں مرے ہیں۔ محمود حسن

کے حالات اب تمہارے علم میں بھی ہیں پھر ان سے کیا شکوہ۔"
عمران اسے سمجھاتے ہوئے بولا "تم اپنے بل کے لئے خود فون کرو۔ دیکھو کیا کہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

قادر کو صرف بورڈ سے ہی یہ شکوہ نہیں تھا اس کی بیماری اور آپریشن کو دنیا کے تقریباً سب بڑے ذرائع ابلاغ نے پیش کیا تھا۔ بی بی سی کی ٹیم تو بعد میں اس کے گھر بھی انٹرویو لینے آئی تھی۔ اسپتال میں اس کی چوٹ آپریشن وغیرہ سب کے بارے میں خبریں انٹرویوز آئے تھے مگر پی ٹی وی جو کہ پاکستان کا اپنا ٹیلی ویژن تھا اس نے قادر کے لئے ایک چند حرفی خبر بھی نہیں دی تھی۔

ٹھیک ہو جانے کے کچھ عرصے بعد اسے ٹیلی ویژن پر ایک ٹاک شو کے لئے البتہ بلایا گیا تھا مگر قادر نے صاف انکار کر دیا۔

"کیا اس کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" پروڈیوسر محمد عزیز نے اس سے پوچھا۔

"بالکل۔ کیونکہ میں وجہ بتانا چاہتا بھی ہوں۔ میں نے پی ٹی وی کو ہمیشہ اپنی ترجیح پر رکھا۔ کیمپ ہو یا پریکٹس حتیٰ کہ میچوں کے دوران بھی وقت دیا مگر جب میں بیمار پڑا تو پی ٹی وی نے مجھے ایک خبر کے لائق بھی نہیں سمجھا اب ایسے شخص کو بلانے کا فائدہ۔"

"دیکھیں قادر صاحب آپ جانتے ہیں کہ یہ سارے فیصلے اوپر ہوتے ہیں اس میں ہم لوگوں کا اتنا عمل دخل نہیں ہوتا ہم تو اس نیوز کاسٹر کی طرح ہیں جو لکھی ہوئی خبروں کو صرف پڑھ دینے کا خطا وار ہوتا ہے۔" وہ صفائی پیش کرتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے مگر اب میں پی ٹی وی کے لئے کوئی پروگرام ریکارڈ نہیں کراؤں گا۔" قادر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اپنے بل کے سلسلے میں قادر نے کئی بار جنرل زاہد سے بات کرنے کی کوشش کی مگر ہر بار اسے کچھ وقت انتظار کرنے کو کہا جاتا اور بات آئی گئی ہو جاتی۔ اس دوران وہ فٹ ہو گیا تھا اور اس نے دوبارہ کھیلنا شروع کر دیا تھا۔ گراؤنڈ میں دوبارہ خود کو بھاگتے پانا اس کے لئے ایک عجیب تجربہ تھا اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے آپ سے الگ ہو کر خود کو بھاگتا دوڑتا دیکھ رہا ہو۔ ٹینڈن ٹوٹنے نے اسے اندر سے خاصا تبدیل کر دیا تھا پہلے جن چیزوں کی اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں تھی اب وہ بھی اس کے لئے اہم ہو گئی تھیں۔ ایک بڑی تبدیلی اس میں یہ آئی تھی کہ اس نے ترجمے کے ساتھ قرآن پڑھنا شروع کر دیا تھا اور جوں جوں وہ ترجمہ پڑھتا جا رہا تھا اسے اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے اب تک اس طرف توجہ کیوں نہیں دی۔ خدا کی ہر نعمت اسے پہلے سے بڑی لگنے لگی تھی۔

فٹ ہونے کے بعد اس نے شارجہ میں پہلا میچ کھیلا جو کہ ون ڈے تھا۔ قادر اب اپنے پیر سے بالکل مطمئن تھا اس کے ڈاکٹرز اور فزیوتھراپسٹ اس کی حالت کو بہترین بتا رہے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ اب وہ بلا خوف و خطر کھیل سکتا ہے۔ بھاگ دوڑ سکتا ہے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ بدقسمتی اس کے تعاقب میں تھی۔ شارجہ میں قادر نے ایک بار پھر بہت اچھی پرفارمنس دی اور پاکستان کو سری لنکا کے خلاف ہارا ہوا میچ جتوا دیا مگر اس میچ میں ہی وہ ایک بار پھر زخمی ہو گیا۔

وہ فیلڈ میں تھا۔ راناتنگے کی ایک گیند کو پکڑنے کے لئے بھاگتے ہوئے وہ اپنے زور میں آگے نکل گیا' مڑتے ہوئے گیند اس کے پیر کے نیچے آگئی اور وہ گر پڑا۔۔۔ کہنے کو یہ معمولی سی چوٹ تھی مگر اس بار اس چوٹ سے اس کا دایاں پاؤں متاثر ہوا تھا۔ اسے اسٹریچر پر گراؤنڈ سے باہر لایا گیا تھا۔

وہاں ڈاکٹر ہارون بھی موجود تھے جو میچ دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ اس کی چوٹ کی خبر سن کر وہ اس کے پاس پہنچ گئے۔

"واٹس دی میٹر؟" (کیا معاملہ ہے) انہوں نے قادر سے پوچھا "تمہارا لیفٹ پیر کیسا ہے۔۔۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب' اس بار میرے سیدھے پیر میں چوٹ لگی ہے" قادر نے انہیں بتایا۔

"اوکے لٹ می سی" (مجھے دیکھنے دو) کچھ دیر کے معائنے کے بعد وہ قدرے مطمئن ہو گئے تھے "کوئی خطرے کی بات نہیں ہے مگر تمہیں پورے دو ہفتے ریسٹ کرنا ہوگا۔۔۔ یہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

انہوں نے اسے تسلی دی۔ اس کے بعد قادر شارجہ میں کوئی اور میچ نہیں کھیل پایا تھا اور وطن واپس آگیا تھا۔ اس واقعے کے کوئی ایک مہینے بعد کی بات ہے کہ وہ اپنے بینک کی ٹیم کے ساتھ باغ جناح میں پریکٹس کر رہا تھا۔ نیٹ پریکٹس اسے ہمیشہ سے بہت پسند تھی کیوں کہ اس کے دوران ہی وہ ہمیشہ گگلی کو نئے انداز دیا کرتا تھا۔ نیٹ پریکٹس کے دوران نہ جانے کس طرح گیند نیٹ سے اچھل کر قادر کے سر پر آ لگی۔ لمحے بھر میں قادر کا چہرہ اس کے اپنے خون سے رنگین ہو گیا تھا۔ پیشانی پر لگنے والی چوٹ نے اس کی کھال پھاڑ دی تھی اور خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔ قادر کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب ہوا کیا ہے اس کا دماغ سن سا ہو گیا تھا۔۔۔ وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے کسی کٹے ہوئے پیڑ کی طرح زمین پر آ گرا۔ وہاں موجود کھلاڑیوں میں کھلبلی سی مچ گئی۔

"ارے قادر بھائی کو کیا ہوا۔۔۔؟"

"خون روکنے کی کوشش کرو۔۔۔" اقبال جو قادر کے ساتھ تھا' چلّا کر بولا۔

"خون نہیں رک رہا ہے۔۔۔" دو تین لڑکے اس کے سر پر سوئیٹر رکھتے ہوئے چلائے۔

"چلو جلدی کرو۔۔۔ رمیز تم گاڑی نکالو۔۔۔ قادر کو فوراً اسپتال لے جانا پڑے گا۔۔۔ قادر سب ٹھیک ہو جائے گا" اقبال اسے دونوں بازوؤں میں تھام کر بولا۔ قادر ان سب کی آوازیں کسی حد تک سن رہا تھا مگر اسے نہ تو کچھ نظر آ رہا تھا اور نہ ہی اس کی سمجھ میں کچھ آ رہا تھا۔ وہ اقبال کے سہارے بھی کھڑے ہونے کے قابل

نہیں تھا۔ اسے بس اپنے چہرے پر کوئی سیال چیز بہتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے سر میں کوئی دہکتی ہوئی سلاخ اتر گئی ہو۔ ایک ناقابلِ بیان سی تکلیف اس کے وجود میں پھیل رہی تھی۔ شاید میں مر رہا ہوں اس کے دماغ میں آواز گونجی مگر وہ ابھی مرنا تو نہیں چاہتا تھا' ابھی تو اسے بہت کچھ کرنا تھا.... پھر گویا خود ہی وہ اپنے آپ سے بولا "مگر مرنا چاہتا کون ہے' بس مرنا پڑتا ہے۔" تو یوں فسانہ ختم ہو رہا ہے۔ خون میں لت پت دوستوں کے کاندھے پر.... بری موت نہیں ہے.... یہ آخری سوچ تھی جو قادر کے احاطۂ یادداشت میں آسکی۔ پھر اس کے دماغ کی سلیٹ صاف ہو گئی تھی۔

اقبال وغیرہ اسے سب سے پہلے سروسز اسپتال لے کر پہنچے۔

"اوہ.... ہی از سیریس.... اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ ہمارے پاس اتنے انتظامات نہیں ہیں۔ آپ انہیں جنرل اسپتال میں لے جایئے۔"

"مگر ڈاکٹر صاحب کچھ تو دیکھئے.... خون بہہ رہا ہے راستے میں اور بہہ جائے گا...." اقبال نے کہا۔

"میں نے آپ سے کہا نا کہ اس وقت اگر میں نے اسے ہاتھ لگایا تو کیس بگڑ سکتا ہے آپ انہیں فوراً جنرل اسپتال لے جائیں وہاں اگر ڈاکٹر بشیر مل جائیں تو ان کے لیے کوئی امید پیدا ہو سکتی ہے۔"

ڈاکٹر کے انکار پر لڑکے قادر کو لے کر جنرل اسپتال پہنچے وہاں ڈاکٹر بشیر موجود نہیں تھے مگر ڈاکٹر نذیر نے حالات سنبھال لئے۔ ہنگامی طور پر قادر کو اندر لے جایا گیا۔

"ڈاکٹر بشیر تو گوجرانوالہ گئے ہیں" ڈاکٹر نذیر نے اقبال کو بتایا "ہم نے قادر صاحب کو ابتدائی طبی امداد دے دی ہے مگر آگے ڈاکٹر بشیر کی ضرورت پڑے گی.... میں انہیں اطلاع کر رہا ہوں۔"

"پلیز ڈاکٹر صاحب' قادر کو کسی طرح بچالیں...."

"آپ مطمئن رہیں.... جو ہم کر سکتے ہیں کر رہے ہیں' آپ ان کے گھر والوں کو اطلاع کر دیں۔ ہو سکتا ہے کہ خون کی ضرورت پڑے اور آپریشن سے پہلے لواحقین کی موجودگی ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے" اقبال وہاں سے سیدھا دھرم پورہ قادر کے گھر آیا۔ قادر کے گھر میں اس خبر سے کہرام سا مچ گیا۔

"اوہ کی ہو گیا ہے میرے شیر پتر نوں (میرے شیر بیٹے کو کیا ہو گیا ہے) قادر کی اماں یہ خبر سن کر خود پر قابو نہیں پا سکی تھیں.... ابھی وہ پیروں کی چوٹ سے سنبھلا نہیں تھا کہ یہ نئی مصیبت آ گئی۔

"اماں جی آپ گھبرائیں نہیں.... سب کچھ ٹھیک ہے.... قادر اسپتال میں ہے.... وہاں بہترین ڈاکٹر اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں.... اسے کچھ نہیں ہو گا.... اقبال نے اماں کو دلاسا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ سب ہی اسپتال آ پہنچے تھے۔

قادر ان سب سے بے خبر شیشے والے آئی سی یو میں بستر پر دراز تھا.... اس کے سینے' سر اور ہاتھ پر مختلف آلات کی نلکیاں لگی ہوئی تھیں.... سر پر مخصوص پٹی بندھی ہوئی تھی اس کے لبوں میں پلاسٹک کا ایک خاص پیس لگا ہوا تھا جس نے زبان کو دانتوں میں آنے سے روکا ہوا تھا۔ قادر کی حالت ہر دیکھنے والے کے دل کو دہلا رہی تھی۔

ڈاکٹر بشیر رات سے پہلے اسپتال پہنچ گئے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب قادر کے لیے کچھ کریں...." اقبال صبح سے اسپتال میں ہی تھا۔

"آپ فکر نہ کریں.... وہ ہماری ذمے داری ہیں ہمارے لیے وہ صرف ایک مریض ہی نہیں قوم کے کھلاڑی بھی ہیں۔ آپ مطمئن رہیں۔" ڈاکٹر بشیر اسے تسلی دیتے ہوئے بولے.... "میرے خیال میں ہمیں ان کا آپریشن کرنا ہو گا...."

آپریشن سے پہلے قادر کو ہوش آگیا تھا مگر وہ بات نہیں کر پا رہا تھا نہ ہی اسے کچھ نظر آ رہا تھا۔ ڈاکٹر بشیر نے جیسا کہا تھا ویسا ہی کر دکھایا.... جنرل اسپتال کے ایک ایک ڈاکٹر نے قادر کے لیے محنت کی.... مگر چوٹ اتنی سخت تھی کہ قادر کو دوبارہ صحت مند ہوتے ہوتے ایک ماہ لگ گیا تھا۔ درمیان میں کئی بار ایسا ہوا کہ قادر خود اپنے آپ سے مایوس ہو جاتا تھا....

ڈیڑھ ماہ بعد وہ اسپتال سے گھر آیا اور چلنے پھرنے کے قابل ہوا۔

بورڈ اس سارے معاملے کے بیچ خاموش تماشائی بنا رہا تھا۔ نہ تو قادر کے پہلے میڈیکل بلوں کے مسئلے پر کوئی شنوائی ہوئی تھی اور نہ ہی اس بار اس کی بیماری پر کوئی توجہ دی گئی تھی۔ اسی دوران بورڈ میں تبدیلیاں کر دی گئیں اور جنرل زاہد کی جگہ سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس' جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ بورڈ کے صدر بن گئے۔ نسیم حسن شاہ' قادر کے فینز میں شامل تھے اور اسے اچھی کارکردگی پر دو مرتبہ فون کر کے مبارکباد بھی دے چکے تھے۔ ان کی آمد قادر کے لیے نیک شگون تھی۔ قادر کو یقین تھا کہ اب اس کے بلز کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا مگر جب کافی دن تک جسٹس صاحب کی طرف سے کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا تو اس نے خود ہی ان سے ملنے کا فیصلہ کیا مگر اس سے پہلے فون پر وقت لینا ضروری تھا۔

"سر میں قادر بول رہا ہوں" ان کے پی اے نے اسے ڈائریکٹ جسٹس صاحب سے ملا دیا۔

"اب تو خیر میں ٹھیک ہوں سر' بس میرے کچھ معاملات بورڈ کے پاس اٹکے ہوئے ہیں اس سلسلے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں.... بولو...." انہوں نے کہا۔

"میں ملنا چاہتا تھا.... مسئلہ یہ ہے کہ میرے بلز تقریباً ڈیڑھ سال سے پھنسے ہوئے ہیں۔ میرا ٹینڈن ٹوٹ گیا تھا اس سلسلے میں آپریشن وغیرہ کروایا تھا۔ میں نے اس کے بل بھیجے ہوئے ہیں مگر ان

کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں ہو رہا۔"

"میں معلوم کرتا ہوں مگر ڈیئر قادر ایک اصولی بات ہے۔ تمہارا ٹینڈن جس میچ میں ٹوٹا ہے' وہ تم پاکستان کے لیے تو نہیں کھیل رہے تھے' ایک فرسٹ کلاس میچ تھا وہ.... تو پھر اس حوالے سے بورڈ تمہاری انجری کا ذمہ دار تو نہیں ہے۔"

"کمال ہے سر' میں پاکستان کے لیے نہیں کھیل رہا تھا تو پھر کیا انڈیا کی ٹیم میں شامل تھا۔ فرسٹ کلاس میچ ضرور تھا مگر انڈیا کی ٹیم کے سامنے میں پاکستان کی نمائندگی ہی کر رہا تھا پھر میں پاکستان کا کھلاڑی ہوں۔ ان گراؤنڈ' آؤٹ گراؤنڈ میں بورڈ کی ذمے داری ہوں....' وہ قدرے غصے سے بولا "ویسے فی الحال میں جس بل کو کلیم کر رہا ہوں وہ انجری آسٹریلیا میں پاکستان کے لیے کھیلتے ہوئے ہی مجھے ہوئی تھی۔"

"بہرحال میں دیکھتا ہوں کہ میں کیا کر سکتا ہوں.... سنا ہے کہ تمہارے سر میں بھی چوٹ لگ گئی تھی۔"

"جی ہاں.... بہرحال اب تو میں ٹھیک ہوں اور اس چوٹ کے بلز بھی آپ کو بھجوا رہا ہوں اب آپ یہ مت کہہ دیجئے گا کہ اس چوٹ کے وقت بھی تم پاکستان کے لیے نہیں کھیل رہے تھے۔"

"حقیقت تو یہی ہے" جسٹس صاحب متانت سے بولے۔

"حقیقت یہ ہے سر کہ میں پاکستان کے لیے ہی پریکٹس کر رہا تھا اور بورڈ اب یہ نیا اصول نہیں بنا سکتا کہ صرف گراؤنڈ میں موجودگی کے دوران ہی بورڈ اسے سیکیورٹی دے گا۔ عام سرکاری افسر جو دفتروں میں ۹ سے ۵ بجے تک کام کرتے ہیں' انہیں بھی سرکار میڈیکل کی پوری سہولت فراہم کرتی ہے۔ ان پر یہ پابندی تو نہیں لگائی جاتی کہ وہ دفتر میں ہی بیمار پڑیں تو ان کا علاج کروایا جائے گا.... سہولت یا تو ہوتی ہے یا پھر نہیں ہوتی اور بورڈ پہلے بھی کھلاڑیوں کا علاج کروا چکا ہے اسی طرح...." قادر بہت کوشش کر رہا تھا کہ اس کے لہجے سے غصہ ظاہر نہ ہو۔

"کیا تم اس کی کوئی مثال پیش کر سکتے ہو....؟"

"جی' ایک کمرشل میچ میں ہی جاوید میانداد کو ڈینس للی کی بال لگی تھی اس کا علاج تو بی سی سی پی نے ہی کرایا تھا۔"

"او کے او کے.... تم اپنے بل بھیج دو' میں معلومات کرواتا ہوں.... جو مجھ سے ہو سکے گا میں ضرور کروں گا...." انہوں نے یقین سے کہا۔

"پلیز آپ یہ معاملہ دیکھ لیجئے گا سر.... میں کافی عرصے سے پریشان ہوں.... مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے میرا حق ضرور دلوائیں گے...."

"انشا اللہ میں پوری کوشش کروں گا" جسٹس صاحب کے ان جملوں نے اسے کچھ مطمئن کر دیا تھا۔ کچھ عرصے بعد معلوم ہوا کہ اس کے بل کلیئر ہو گئے ہیں۔ قادر کے لیے یہ خبر بہت خوش آئند تھی کیونکہ اسے ڈریم لینڈ کی تعمیر کے لیے پیسے کی ضرورت بھی تھی۔

ڈریم لینڈ کی شکل میں قادر نے ایک خوبصورت شادی ہال بنوانے کا ارادہ کیا تھا۔ پلاٹ اس کے پاس موجود تھا پہلے اس نے اس شادی ہال کا نام عمران میرج ہال رکھا تھا مگر بعد میں اسے ڈریم لینڈ سے تبدیل کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح یہ نام زیادہ پُراثر ہو گیا ہے۔

بل کی وصولی کے سلسلے میں وہ خود گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اس کے ڈھائی لاکھ کے بلز کے بدلے میں صرف ایک لاکھ روپے منظور کیے گئے ہیں۔

"آخر وہ لوگ مجھ سے یہ مذاق کیوں کر رہے ہیں۔ میں نے اتنے برس اس بل کا انتظار کیا ہے اور اب دو لاکھ ۴۹ ہزار کی جگہ مجھے ایک لاکھ روپے پکڑائے جا رہے ہیں آخر اس مذاق کا مقصد کیا ہے۔ اگر بورڈ کھلاڑیوں کو ان کا حق نہیں دے سکتا تو صاف انکار کر دے۔" وہ سیکریٹری پر برس پڑا "کیا آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کھلاڑیوں کو خیرات دے رہے ہیں ہم آپ کو کما کر دیتے ہیں۔ ہماری وجہ سے یہ بورڈ ہے تو بورڈ کو ہمارا خیال رکھنا چاہیے یا نہیں۔"

"دیکھیے قادر صاحب! آپ مجھ سے خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہیں اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں جسٹس صاحب نے جتنے پیسے منظور کیے' میں نے آپ کو بتا دیے۔"

"ہاں.... یہ آپ درست کہہ رہے ہیں جسٹس صاحب واقعی مجھے چھوٹا سا جسٹس نہیں دلا سکے میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"اس وقت تو وہ موجود نہیں ہیں آپ چاہیں تو صبح ان کو فون کر لیں" سیکریٹری نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

دوسرے روز قادر کی جسٹس نسیم حسن شاہ سے بات ہو گئی تھی۔

"سر آپ نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا.... اتنے دنوں بعد ڈھائی لاکھ کے بجائے صرف ایک لاکھ منظور کیے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں مگر بورڈ اس وقت اتنا ہی کچھ کر سکتا ہے" جسٹس صاحب نے جواب دیا۔

"جسٹس صاحب بورڈ' آخر ہمارے لیے بنایا گیا ہے پھر اس کی ہمارے علاوہ کیا مصروفیات ہیں جو وہ ہماری جائز ضروریات بھی پوری نہیں کر سکتا۔" قادر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "ہونا تو یہ چاہیے کہ بورڈ ہر نئے پرانے کھلاڑی کو سپورٹ کرے مگر یہاں اچھے اچھے کھلاڑی برے حالوں میں مر گئے.... سعادت جیسے کرکٹر کسمپرسی میں گزر گئے مگر بورڈ کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگی .... کم از کم موجودہ کھلاڑیوں کے ساتھ تو...."

"مسٹر عبدالقادر میں جو کر سکتا تھا وہ میں نے کر دیا وہ بھی صرف اس لیے کہ میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتا.... اگر آپ مطمئن نہیں ہیں تو تین سال اور انتظار کر لیجئے میرے بعد جو صدر آئے اسے اپروچ کر لیجئے گا" جسٹس نسیم

حسن شاہ نے یہ کہہ کر فون بند کردیا تھا۔
قادر کو ان کے رویے نے بہت دکھ پہنچایا تھا وہ اپنی چوٹوں سے اتنا زخمی نہیں ہوا تھا جتنا بورڈ کے رویے نے اسے زخمی کردیا تھا۔
"تو کیوں اتنا افسردہ ہوتا ہے، چھوڑ سب کچھ.... یہ سب تو چلتا ہی رہے گا.... اللہ نے تجھے بہت دیا ہے، تو بورڈ کا محتاج تو نہیں ہے۔" اس کے دوست مسرور نے اسے پریشان دیکھ کر دلاسا دیا۔
"بات محتاجی کی نہیں حق کی ہے۔ آخر یہاں حقدار کو حق کیوں نہیں دیتے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ یہاں کسی کو کوئی چیز حق سے نہیں ملی اب دیکھ یہ لوگ کبھی جنرل زاہد کو تو کبھی جسٹس نسیم حسن شاہ کو بورڈ کا صدر بنا دیتے ہیں.... کیا انہیں کرکٹ کے معاملات سنبھالنے کے لیے کرکٹ کا کوئی آدمی نہیں ملتا جب کہ یہاں کیسے کیسے چہرے موجود ہیں۔ فضل محمود صاحب ہیں کتنے سینئر کتنے نیک پھر دوسرا ریڈی میڈ بندہ عمران خان ہے اس سے زیادہ اس ملک میں کرکٹ کون سمجھتا ہے.... مگر یہ ایسا کبھی نہیں کریں گے انہیں تو ہاں میں ہاں ملانے والے درکار ہیں...." قادر کہے جا رہا تھا۔ "دل تو نہیں چاہ رہا مگر میں ان بورڈ والوں کو پیسے کھانے نہیں دوں گا' لے لوں گا۔ ڈریم لینڈ میں لگ جائیں گے۔"
"اور دوسرا بل؟ ٹینڈن اور سر کی سرجری کا بل تو یہ لوگ کبھی نہیں دیں گے۔"
"میں سب مٹ تو کرادوں گا مگر ظاہر ہے کہ جس بورڈ نے پہلے پیسے نہیں دیئے وہ اب کے کون سے دے دے گا مگر میں کارروائی پوری کروں گا" قادر نے جواب دیا ویسے اسے خود بھی یقین تھا کہ ان انجریز کے بل بورڈ کسی قیمت پر نہیں دے گا جسٹس صاحب تو صاف اس کے منہ پر کہہ ہی چکے تھے کہ چونکہ اس وقت وہ پاکستان کے لیے میچ نہیں کھیل رہا تھا اس لیے وہ بورڈ کی ذمے داری نہیں ہے۔ گزشتہ کچھ دنوں سے قادر اپنی طبیعت کچھ گری گری محسوس کررہا تھا۔ سر میں درد کی لہر ایک معمول سا بنی ہوئی تھی۔ وہ دوائیں لے رہا تھا مگر طبیعت کچھ بحال نہیں ہو رہی تھی۔
"میرا خیال ہے کہ آپ ڈاکٹر بشیر کو دکھا دیں...." مینا نے کہا۔
"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں اگر ایک آدھ دن میں حالت بہتر نہ ہوئی تو یہی کروں گا" قادر نے جواب دیا۔
مگر اس سے اگلے ہی روز قادر کو پھر ایمرجنسی میں اسپتال جانا پڑا.... اس کے گھر کے برابر بلڈنگ بن رہی تھی وہاں مزدوروں کا معمول یہ تھا کہ وہ اوپر ہی سے اینٹیں نیچے پھینک دیتے جس سے بہت زیادہ شور مچتا تھا۔ خود وہ بھی کم شور شرابا نہیں کرتے تھے۔ قادر اس دوپہر گھر ہی میں نماز پڑھ رہا تھا مزدوروں کا شور جاری تھا.... نہ جانے وہ شور قادر پر کس طرح اثر انداز ہوا کہ وہ نماز پڑھتے پڑھتے ہی گر کر بے ہوش ہوگیا۔
"ارے کیا ہوا ہے انہیں...." مینا نے اسے گرا دیکھا تو بھاگتی ہوئی قادر کے پاس آگئی اور جب کافی کوششوں کے باوجود قادر کو ہوش نہ آیا تو وہ سب اسے جنرل اسپتال لے گئے۔
"ہوا کیا ہے؟ کوئی چوٹ لگی ہے؟" ڈاکٹر بشیر کے اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہ تھا۔ ڈاکٹر بشیر کے چیک اپ کے دوران ہی اسے لگائے گئے انجکشن نے اپنا اثر دکھا دیا تھا اور قادر کو ہوش آگیا۔
"میں کہاں ہوں....؟" چند لمحے تو قادر کو خود صورتِ حال سمجھنے میں لگ گئے پھر وہ ڈاکٹر بشیر کے سوالوں کے جواب میں بولا "دو دن سے کچھ درد تو ہو رہا تھا مگر باقی سب کچھ نارمل تھا۔ بس نماز پڑھتے ہوئے مزدوروں کا شور یک لخت میرے اعصاب پر چھا گیا اور اس کے بعد کیا ہوا مجھے کچھ معلوم نہیں۔"
"ہوں.... تم نے وائس پولوشن کا اثر دیکھا' ہمارے ہاں لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے.... کہ نروس سسٹم پر آوازیں' شور کس طرح اثر کرتے ہیں...." ڈاکٹر بشیر افسوس سے بولے.... "اچھا اب تم میری ہدایات غور سے سنو! تمہیں چھ ہفتے تک مکمل آرام کرنا ہے اس میں کوتاہی مت کرنا سمجھ رہے ہو نا اور دوائیں باقاعدگی سے کھاتے رہنا.... یہ کوئی بہت پریشانی کی بات نہیں ہے کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے ابھی ظاہر ہے کہ تم تازہ بیماری سے اٹھے ہو بلکہ اگر مجھے کہنے دو تو تمہارا دماغ ابھی کمزور ہے نا" وہ ہنس کر بولے۔
قادر اسی روز گھر واپس آگیا تھا مگر وہ کئی ہفتے تک مکمل آرام کرتا رہا تھا۔ بیماریوں اور انجریز نے واقعی اسے چکرا دیا تھا۔ جسمانی کمزوری کے ساتھ ساتھ ذہنی تھکن اور پھر بورڈ کا رویہ اس پر مستزاد تھا۔
وہ ابھی آرام ہی کر رہا تھا کہ اسے کویت۔ بحرین ایکسچینج کے مالک زلزلہ صاحب کے اسسٹنٹ ارشاد صاحب کا پیغام ملا۔ وہ لاہور آئے ہوئے تھے اور اس سے ملنا چاہتے تھے۔ قادر نے انہیں اگلے روز بلا لیا۔
"قادر صاحب آپ کرکٹ کی دنیا کا اثاثہ رہے ہیں' آپ جیسے کھلاڑی روز روز پیدا نہیں ہوتے اگر ہم آپ کی قدر نہ کریں تو ہم سا احمق کون ہوگا...."
"یہاں کوئی کسی کی قدر نہیں کرتا ارشاد صاحب...." قادر کے لہجے میں حالات کی تلخی تھی۔
"ایسا نہ کہیں اگر آپ اپنی قدر دیکھنا چاہتے ہیں تو ان لاکھوں لوگوں کے دلوں میں جھانک کر دیکھیں جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کے ایکشن آپ کی بالنگ کے دیوانے ہیں آپ ہسٹری میکر ہیں...." وہ مسلسل کہے جا رہے تھے۔
"چھوڑیے ان باتوں کو۔ یہ بتایئے کہ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہ رہے تھے...."
"ایک تو آپ کی مزاج پرسی کرنا تھی سنا ہے کہ آپ پھر بیمار پڑ

گئے تھے اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔"
"اللہ کا شکر ہے' آپریشن کے بعد بھی مجھے آپ کا اور زلزلہ صاحب کا خط اور کارڈ ملا تھا میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے یاد رکھا۔۔۔" قادر نے کہا۔
"ارے تو آپ کو کون بھول سکتا ہے ہم تو آپ کو اور بھی یاد رکھنا چاہتے ہیں۔"
"کیا مطلب۔۔۔"
"قادر صاحب آپ جانتے ہیں ناکہ میں کرکٹ سے کتنی محبت کرتا ہوں یوں سمجھ لیجئے کہ کرکٹ ہی میرے دن رات ہیں۔ پھر آپ کا تو میں فین ہوں ہی۔۔۔ میں آپ کا ایک بینیفٹ میچ کروانا چاہتا ہوں کویت میں۔۔۔ اس سلسلے میں مجھے آپ کا تعاون درکار ہے۔"
"بینیفٹ میچ۔۔۔ ارے آپ کہاں اس جھمیلے میں پڑ گئے یہ لمبے چکر ہیں۔۔۔"
"کوئی بات نہیں۔۔۔ ہم یہ کرلیں گے مگر آپ کو بھی تعاون کرنا ہوگا۔۔۔"
"کیسا تعاون۔۔۔؟"
"دیکھئے اس معاملے کا تجارتی پہلو میں سنبھال لوں گا آپ اپنے ساتھی کھلاڑیوں کو میچ میں لانے کی ذمے داری لے لیجئے۔ اسٹارز ہوں گے تو کراؤڈ بھی آئے گا۔۔۔"
"مجھے اس تعاون کے بدلے کیا ملے گا۔۔۔؟" قادر نے پوچھا۔
"بہت مناسب سوال ہے۔ دیکھیے میں نے یہ سوچا ہے کہ ہم لم سم رقم رکھ لیں گے میں اس میچ میں سے ۲۵ لاکھ روپے آپ کو ادا کروں گا باقی جو بچت ہو وہ میرا محنتانہ۔۔۔ کیا خیال ہے آپ کا۔"
"ارشاد صاحب مجھے کچھ سوچنے کی مہلت دیں گے آپ۔۔۔"
"اس میں سوچنا کیا ہے جناب۔۔۔ آپ کا بینیفٹ میچ ہو رہا ہے اور آپ کو ۲۵ لاکھ روپے کا فائدہ ہوگا ہم دونوں بھائی مل کر یہ کام کرلیتے ہیں۔ آپ کہیں تو میں باقاعدہ کاغذ بنوالیتا ہوں۔"
"نہیں خیر اس کی کیا ضرورت ہے۔"
"بس تو پھر ہاں کردیں تاکہ کام شروع ہوسکے۔"
"چلئے ٹھیک ہے مگر سب کچھ ٹھیک ہی ہونا چاہیے" قادر کو ارشاد صاحب کی تجویز میں کوئی برائی نظر نہیں آئی تھی الٹا اس میں اس کا فائدہ بھی تھا اس لیے وہ تیار ہوگیا۔
اس نئی مصروفیت نے قادر کو بھرپور مصروف کردیا تھا اس نے باقاعدہ تمام کھلاڑیوں سے فون پر بات کی تھی' پیغامات فیکس کیے تھے اور کم سے کم معاوضے پر انہیں اپنا بینیفٹ میچ کھیلنے پر تیار کرلیا تھا۔
"ارشاد صاحب میں چاہ رہا ہوں کہ کھلاڑیوں کے پیسے آپ پہلے ادا کردیں انہیں" قادر نے انہیں بتایا۔
"مگر ایسا کیوں قادر۔۔۔!"
"بس اس طرح بات بالکل پکی ہوجائے گی۔۔۔" یوں قادر نے اکثر کھلاڑیوں کو ایڈوانس میں پیسے دلوا دیے تھے صرف چند کھلاڑی رہے تھے جنہیں میچ کے بعد پے منٹ ہونی تھی۔ قادر اس سلسلے میں لندن بھی ہو آیا تھا یہ اس کا بینیفٹ میچ تھا اور وہ اسے بہت مکمل بہت بھرپور دیکھنا چاہتا تھا۔ یوں بھی اس کے سامنے متوقع منافع موجود تھا اور اس میں سے پانچ چھ لاکھ خرچ کرنے کو وہ تیار تھا۔
قادر بینیفٹ میچ واقعی بہت اچھا ہوا تھا کراؤڈ بھرپور تھا۔۔۔ بینرز۔۔۔ اشتہارات۔۔۔ سوونیئر سب ہی ارشاد صاحب کی کوششوں کا اعلان کررہے تھے۔ قادر کو یقین تھا کہ اسے ۲۵ لاکھ دینے کے باوجود ارشاد صاحب نے اس میچ سے کافی کچھ کما لیا ہوگا۔ مگر بہر حال خود اس کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔
معاوضہ میچ کے بعد پے منٹ آجانے پر ادا ہونا تھا لہٰذا قادر مطمئن ہو کر گھر لوٹ آیا۔۔۔ جب کئی ہفتوں تک ارشاد صاحب نے اس سے کوئی رابطہ نہ کیا تو وہ انہیں فون کرنے پر مجبور ہوگیا۔
"ارشاد صاحب۔۔۔ وہ تو نہیں ہیں" ایک اجنبی آواز نے قادر کی بات سن کر رکھائی سے کہا۔
"کب تک آجائیں گے۔۔۔"
"وہ یہاں نہیں رہتے' میں نے بتایا نا آپ کو۔۔۔؟"
"آپ اب بتارہے ہیں مگر یہ نمبر تو ان ہی کا تھا۔۔۔"
"ہوگا مگر اب یہاں شمشیر علی رہتے ہیں اور وہ میں ہوں اور میں کسی ارشاد کو نہیں جانتا" یہ کہہ کر فون رکھ دیا گیا۔
قادر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ ارشاد کہاں گیا ہے اور اگر اس کا نمبر بدل گیا ہے یا کوئی مسئلہ ہے بھی تو اس نے قادر کو فون کیوں نہیں کیا۔ کئی روز کی کوششوں اور ارشاد کے جاننے والوں سے رابطوں کے بعد قادر بمشکل اس سے بات کرسکا تھا "جی قادر بھائی' میں آپ کو فون کرنے ہی والا تھا۔۔۔" ارشاد نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔
"کمال ہے' آپ کراچی آئے ہوئے ہیں اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔۔۔ آپ کے نمبرز بھی بدل گئے ہیں میں تو پریشان ہوچکا ہوں کہ کروں کیا۔۔۔ یہ طریقۂ کار صحیح نہیں ہے کہ میں آپ کے پیچھے پیچھے بھاگتا رہوں" قادر قدرے غصے میں تھا۔
"آپ ناراض نہ ہوں میں کل لاہور آرہا ہوں آپ سے ملوں گا تو ساری صورتِ حال آپ کے سامنے آجائے گی۔۔۔" ارشاد نے بے مزہ نہ ہوتے ہوئے جواب دیا۔
"ٹھیک ہے میں آپ کا انتظار کروں گا۔۔۔"
ارشاد دوسرے تو نہیں البتہ تیسرے روز ضرور قادر کے گھر آیا تھا۔
"ارشاد بھائی یہ مسئلہ کیا ہے۔۔۔؟"
"مت پوچھئے میں تو مشکل میں پھنس گیا ہوں دراصل ہمارے

میجر اسپانسر نے ایک ساتھ رقم ادا کرنے سے انکار کردیا ہے۔ غلطی ان کی بھی نہیں ہے وہ ایک کاروباری مسئلے میں پھنس گئے ہیں میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ کسی طرح آپ کی رقم کا بندوبست ہو جائے تو میں آپ سے رابطہ کروں....'' ارشاد نے کہا۔

''پھر بندوبست ہوگیا؟'' قادر نے پوچھا۔

''نہیں.... اب تک تو نہیں ہوا ویسے آپ کے لیے ایک تجویز ہے میرے پاس....''

''کیا....''

''آپ یک مشت ۲۵ لاکھ لینے کے بجائے تھوڑے تھوڑے کرکے مجھ سے لے لیں.... مجھے جیسے جیسے پے منٹ ملتی جائے گی میں آپ کو دیتا جاؤں گا کیا خیال ہے آپ کا'' ارشاد نے پوچھا۔

''دیکھیے ارشاد صاحب میں زبان کو بہت اہمیت دیتا ہوں.... آپ میرے پاس آئے تھے میں تو آپ کے پاس آیا نہیں تھا آپ نے کہا تھا کہ کاروباری مسائل آپ سنبھالیں گے آپ نے کہا تھا کہ ان سارے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہوگا اور آپ مجھے ۲۵ لاکھ روپے دیں گے اب اتنے دنوں بعد آکر آپ مجھ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ سے قسطوں میں پیسے لے لوں میرے لیے یہ صورتِ حال ناقابلِ قبول ہے.... آپ میرے سارے پیسے مجھے ایک ساتھ دیں....''

''میری یہی کوشش ہے مگر میں مسائل میں پھنسا ہوا ہوں....''

''دیکھیے اس معاملے میں میں بہت پیسے پھنسا چکا ہوں.... آپ اسے جلد سے جلد ہینڈل کرلیں''

ارشاد صاحب اس وقت تو قادر سے وعدہ کرگئے تھے کہ وہ جلد ہی اس کے پیسوں کا بندوبست کردیں گے مگر اس کے بعد کئی ہفتوں بلکہ مہینوں تک انہوں نے قادر کو شکل نہیں دکھائی بالآخر خود قادر پتا لگا کر ان کے پاس جا پہنچا تھا۔

''ارشاد صاحب آپ کیا چاہتے ہیں....؟''

''قادر بھائی میں نے آپ سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا تھا اب آپ ایک ساتھ جتنی رقم مانگ رہے ہیں وہ اب تک مجھے نہیں ملی ہے۔''

''مگر میری معلومات کے مطابق آپ پیسے لے چکے ہیں'' قادر کے ان جملوں پر ارشاد کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

''کسی نے آپ کو بہکا دیا ہے ایسا ہرگز نہیں ہے میں تو اب بھی یہی کہوں گا کہ آپ تھوڑے تھوڑے کرکے پیسے لے لیں۔''

''نہیں میں لوں گا تو یک مشت ہی ورنہ مجھے آپ کے پیسے نہیں چاہئیں'' قادر غصے میں بھرا ہوا واپس آگیا۔

اس کے بعد ارشاد نے پھر کبھی اس سے رابطہ نہیں کیا الٹا قادر ہی کو بچ جانے والے کھلاڑیوں کو اپنی جیب سے پیسے دینے پڑ گئے تھے۔

''آخر آپ اس ارشاد کو پکڑتے کیوں نہیں وہ کراچی میں رہ رہا ہے'' اس کے کافی عرصے بعد اکرم نے قادر کو بتایا۔

''مجھے معلوم ہے یار.... اس کا بیٹا یہاں لاہور میں پڑھتا ہے ایک دعوت میں ٹکرایا تھا مجھ سے.... میں چاہوں تو اسے اس کے باپ سمیت گردن سے پکڑلوں مگر میں نے اسے چھوڑ دیا ہے۔''

''یعنی معاف کردیا ہے'' اکرم نے لقمہ دیا۔

''نہیں معاف نہیں کیا ہے یہاں اس نے بے ایمانی کی ہے۔ میں اللہ کے گھر اس سے اس کا حساب لوں گا وہاں وہ کیا کرے گا....'' قادر گہری سانس لے کر بولا۔

انہی دنوں قادر کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا اعزاز ملا.... اسے پرائیڈ آف پرفارمنس سے نوازا گیا تھا۔

''چل یار تیری خدمات کو تو سراہا گیا....'' میانداد اسے مبارکباد دینے خاص طور پر اس کے گھر آیا۔

''ہاں.... خوش تو ہوں میں.... مگر فائدہ کیا.... ایک طرف آپ خدمات پر ایوارڈ دیتے ہیں دوسری طرف صلاحیت ہوتے ہوئے بھی باہر نکال دیتے ہیں'' قادر ملے جُلے لہجے میں بولا۔

''بہرحال یہ بڑی عزت کی بات ہے....''

''کیا باہر نکال دینا....؟'' قادر نے پوچھا۔

''نہیں یار ایوارڈ ملنا....''

قادر واقعی خوش تو بہت تھا مگر اسے کرکٹ خصوصاً ٹیم سے باہر کیے جانے کا افسوس بھی تھا۔ انہی دنوں اس کا دوست سجاد اس سے ملنے آیا۔

''یار تم سے ایک کام ہے'' اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ بولا۔

''ہاں ہاں بولو....''

''میرا ایک رشتے دار ہے مشتاق.... کرکٹ کا شوقین ہے.... اچھا بھلا کھیلتا ہے.... تمہارا بہت فین ہے خود بھی لیگ بالنگ کرتا ہے تم سے کچھ سیکھنا چاہتا ہے....''

''مشتاق'' قادر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا.... ''میں نے یہ نام سنا ہے.... کہیں تم مشتاق احمد کی بات تو نہیں کررہے....؟''

''ہاں.... ہاں وہی....''

''اس کے لیے میرے ایک اور دوست نے بھی مجھ سے کہا ہے.... تم اسے میرے پاس بھیج دینا....''

مشتاق اگلے ہی روز قادر کے پاس پہنچ گیا۔

''ہوں تو تم بالنگ سیکھنا چاہتے ہو....؟''

''جی سر....'' وہ تھوک نگل کر بولا۔

''مگر مجھ سے ہی کیوں....؟''

''میں بھی اسپن بالنگ کرتا ہوں.... سیدھے ہاتھ سے بال پھینکتا ہوں اور.... آپ.... آپ میرے آئیڈیل بالر ہیں.... پلیز آپ مجھے اپنا شاگرد بنالیں....''

''دیکھو مشتاق' میں استادی شاگردی پر یقین نہیں رکھتا.... آج کے دور میں نہ کوئی استاد بن سکتا ہے نہ ہی کوئی صحیح شاگرد''

قادر صاف گوئی سے بولا۔

اس کی بات سن کر مشتاق کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ "مگر یہ ہے کہ میں تمہیں چھوٹے بھائی کی طرح وہ سب کچھ سکھاؤں گا جو مجھے آتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ تمہیں بھی سیکھنے سے اتنا ہی شغف ہو جتنا میرے پاس آنے کا تھا۔

"بھائی جان آپ دیکھ لیجیے گا۔ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا....." مشتاق لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

"ٹھیک ہے مگر یہ سمجھ لو کہ تمہیں بہت محنت کرنا پڑے گی....." قادر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں تیار ہوں۔"

یوں مشتاق، قادر کے گروپ کا ایک حصہ بن گیا۔ قادر اس سے پہلے بھی کسی کو کچھ سکھانے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔ مشتاق تو یوں بھی بہت توجہ سے کھیلتا تھا۔ وہ قادر کے پاس رہتا..... دوکان پر بھی نظر آتا اور پریکٹس بھی کرتا..... قادر کبھی خاص کلاس کے طور پر اسے کچھ نہیں سمجھاتا تھا ہاں اس کی غلطیاں پکڑتا یا خود سے کھیلتے وقت تکنیک بتایا کرتا۔ مشتاق احمد کو قادر نے اپنا باقاعدہ شاگرد نہیں بنایا تھا مگر اس نے شاگردی کا حق بہرحال ادا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ قادر کا حکم اس کے لیے لفظِ آخر ہوتا اور گھنٹوں وہ باقاعدہ پٹھوں کی طرح "استاد" کا بدن دبایا کرتا۔ قادر بھی اس سے چھوٹے بھائی کی طرح ہی محبت کرنے لگا تھا۔ شاید اسی لیے ٹیم میں اس کے سلیکشن پر وہ بہت خوش ہوا تھا۔

"میری سمجھ میں تمہاری خوشی نہیں آرہی..... تم خود ٹیم سے باہر ہو اور اب ایک نئے لڑکے کو پوری طرح تیار کر کے بھیج رہے ہو تاکہ اگر انہیں کبھی تمہاری کمی محسوس ہونے کی امید ہو بھی تو وہ بھی ختم ہو جائے" قادر کے ایک دوست نے کہا۔

"یار دیکھ جو میرے نصیب میں ہے وہ مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا پھر پاکستان کی ٹیم ادھوری رہے یہ تو کوئی نہیں چاہے گا۔ یہ اپنے ملک کی ٹیم ہے دوسری بات یہ ہے کہ کوئی نہ کوئی تو یہ جگہ لے گا تو کیوں نہ میں خود اپنے لڑکے کو وہاں کے لیے تیار کردوں" قادر نے اسے سمجھایا۔

"مگر اس طرح تیرا چانس ختم ہو جائے گا۔"

"میری انٹرنیشنل کرکٹ تو یہ لوگ تقریباً ختم کر ہی چکے ہیں....." قادر اطمینان سے بولا "پھر بھی اگر میرے نصیب میں ہو گا تو ضرور موقع ملے گا۔"

مشتاق نے پہلے میچ سے ہی اپنی صلاحیتوں کو ثابت کر دیا تھا۔ قادر کی تربیت نے اسے کندن بنا دیا تھا۔ خصوصاً ۱۹۹۲ء کے ورلڈ کپ میں تو اس نے اپنی اہمیت کو ثابت کر دیا۔ اس نے مجموعی طور پر ۱۶ وکٹیں حاصل کر لیں۔ پاکستان کی فتح میں مشتاق احمد کا بڑا ہاتھ تھا سیمی فائنل میں اس نے نیوزی لینڈ کی دو بہت اہم وکٹیں حاصل کیں اور جان رائٹ اور اینڈریو جونز کو پویلین کی راہ دکھائی۔ جب کہ فائنل میں مشتاق دوسرا قادر بن کر ابھرا۔ اس نے گراہم گوچ، گریم ہک، اور ڈرمٹ ریو کو آؤٹ کر کے پاکستان کی فتح کو آسان تر بنا دیا۔ اس سے قبل کوئی پاکستانی اسپنر ایک ورلڈ کپ میں ۱۶ وکٹیں حاصل نہیں کر پایا تھا۔

قادر درحقیقت مشتاق کی فتوحات پر بہت خوش تھا البتہ دل کے کسی کونے میں کوئی خواہش ناتمام ضرور تھی وہ چند ریکارڈز جو وہ بنانا چاہتا تھا، نہیں بنا سکا تھا۔ مگر وہ خوش تھا کہ وہ ریکارڈ اس کے شاگرد مشتاق کا حصہ بن رہے تھے۔

یوں تو قادر کے پاس سیکھنے اور اسپنگ کی جادوگری کے رموز سیکھنے ملک اور بیرون ملک سے بہت سے نئے لڑکے اور منجھے ہوئے کھلاڑی آتے رہتے تھے مگر شین وارن جو آج دنیا کے خطرناک اسپنرز میں شامل ہوتا ہے خاص طور پر کئی بار قادر کے پاس آیا..... قادر سے جو کچھ ہو سکا وہ اس نے شین وارن کو سکھایا۔ وہ اس بات پر یقین رکھتا آیا تھا کہ اپنے فن کو سینے میں رکھے رکھے گزر جانے سے بڑی حماقت اور کوئی نہیں ہے بقول اس کے اسے دوسروں میں بانٹ دینا، دیے سے..... دیا جلانے کے مترادف ہے بالکل اسی طرح جیسے کوئی مرجانے کے بعد اپنی آنکھیں دوسروں کو دے جاتا ہے وہ خود تو دنیا سے چلا جاتا ہے مگر اس کی آنکھوں کی روشنی کسی دوسرے کو دنیا کے رنگ دکھاتی رہتی ہے۔ اس نے تو کئی بار بورڈ کو بھی یہ

سنچریاں

زمبابوے کی جانب سے ورلڈ کپ میں صرف دو سنچریاں اسکور کی گئی ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں ڈیوڈ ہوٹن نے اور ۱۹۹۲ء کے عالمی کپ میں اینڈی فلاور نے سنچری بنائی تھی۔ خاص بات یہ ہے کہ دونوں وکٹ کیپر تھے۔

○☆○

نیوزی لینڈ کی جانب سے ورلڈ کپ میں تین سنچریاں بنائی گئی ہیں۔ تینوں سنچریاں ان کے قائدین نے اسکور کیں اور ہمیشہ ہفتہ کے روز یہ واقعات پیش آئے۔

اسی طرح آسٹریلیا کے خلاف جو دو سینکڑے بنے ہیں، وہ بھی مخالف کپتانوں کی عمدہ بلے بازی کا نتیجہ تھے۔ دونوں مرتبہ ہفتہ کے دن ہی ایسا کیا گیا۔

مبشر علی زیدی، کراچی

○☆○

تجویز دی تھی کہ وہ باقاعدہ بڑے پیمانے پر ایک ایسا ادارہ بنائے جس میں نوجوان لڑکوں کی کوچنگ کی جائے تو وہ وہاں بلا معاوضہ اپنی خدمات ادا کرنے کے لیے تیار ہے مگر چونکہ بورڈ والوں کے پاس ہمیشہ اور کئی بڑے اہم "پروجیکٹ" ہوتے ہیں اس لیے اس کی اس تجویز کی شنوائی نہیں ہوئی تھی۔

اس عرصے میں جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ بورڈ سے رخصت ہوگئے اور ان کی جگہ عارف عباسی نے سنبھال لی مگر بورڈ کے معاملات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ قادر نے ان سے کئی چیزوں اور معاملات پر کئی بار گفتگو کی تھی پھر اس کے کھلے انٹرویوز اور بورڈ پر تنقید نے اسے عارف عباسی کی بیڈ بکس میں شامل کردیا تھا۔ یہ تو اس کے ساتھ ہمیشہ سے ہوتا آیا تھا۔

"قادر تم کیوں عارف عباسی کے خلاف بولتے ہو.... کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ وہ بہت پاور فل آدمی ہے...." اس کے ایک قریبی دوست شمس نے اسے ایک روز سمجھایا۔

"کتنا پاور فل ہے' خدا سے زیادہ؟" قادر نے پوچھا۔ "یہی تو میں کہتا ہوں کہ اس کے پاس کیا پاور ہے جو اسے لے آتی ہے۔ کرکٹ کے لیے اس کی خدمات کیا ہیں کچھ بھی نہیں.... اسے کرکٹ کے بارے میں کیا معلوم ہے.... کرکٹرز کو وہ کتنا سمجھ سکتا ہے؟ جب وہ یہ سب نہیں کرسکتا تو اسے بورڈ کا صدر کیوں بنایا گیا ہے۔"

"تیری اس سے کیا دشمنی ہے؟"

"میری عارف عباسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے مگر شمس میں بغیر ثبوت کے نہیں بولا کرتا.... اس آدمی نے اسٹیڈیمز اور دوسرے کاموں میں اپنے دوستوں کو ٹھیکے دیے ہیں جو لاکھوں اِدھر اُدھر کررہے ہیں اور میرے پاس اس کے ثبوت بھی ہیں جو میں صدرِ پاکستان کو بھیجنے والا ہوں"

"قادر میری بات مان اور اس مسئلے کو چھوڑ دے.... یہاں اور بھی بہت لوگ ہیں تو ہی کیوں خود کو برا بناتا ہے پھر ہمارے ہاں کون اپنے اختیارات کا فائدہ نہیں اٹھاتا۔"

"شمس! اگر کھیل کو برباد کرکے نہیں.... اور قادر کسی سے نہیں ڈرتا۔ اب میں وہ قادر نہیں ہوں جسے ضرورت ہو پیسے کی یا کھیل کی۔ پروردگار نے مجھے بہت عطا کیا ہے پیسہ' عزت اور کھیل تو میں رہا ہی ہوں.... پھر پیسہ میں کہیں بھی کما سکتا ہوں۔"

"عارف عباسی سے میری بات ہوئی تھی وہ صلح چاہتے ہیں...."

"میری ان سے کوئی لڑائی نہیں ہے' میں صرف اصول کی بات کررہا ہوں۔"

"کچھ لوگوں نے بتایا ہے کہ انہوں نے کہا کہ قادر جھگڑا چھوڑ دے تو وہ اسے کپتان بھی بنا سکتے ہیں؟"

"ٹیم میں تو لیتے نہیں ہیں کپتان بنائیں گے.... یوں بھی مجھے نہ کھلا کر یہ میرا نہیں ملک کا نقصان کررہے ہیں.... یار وہ اتنی باتیں کررہے ہیں مگر کرکٹر کے لیے کچھ نہیں کریں گے۔ آغا صادق' محمود حسن.... کیا ہیرے تھے اور کیسے مرے ہیں.... انہیں پتا ہے۔ شرم آنی چاہیے بورڈ والوں کو...." قادر جذباتی ہوگیا تھا۔ بعد میں اس کے کئی دوستوں نے اسے سمجھایا کہ وہ عارف عباسی کے خلاف دستاویزات وغیرہ صدر کو نہ بھجوائے اس سے اور کچھ ہو' نہ ہو خود اس کے خلاف ایک باب ضرور کھل جائے بالآخر قادر نے یہ بات مان ہی لی۔

زندگی مسلسل سفر کا نام ہے یہ سفر آگے اور آگے کی جانب مسلسل جاری و ساری رہتا ہے.... کوئی مسئلہ کوئی تبدیلی.... کوئی صدمہ.... کوئی خوشی اس کی رفتار کو نہیں روک پاتی۔ ان برسوں نے جہاں قادر کو کرکٹ اور شہرت سے نوازا وہاں اس کے آنگن میں رحمان قادر' عمران قادر کے بعد نعمان قادر' نور فاطمہ' نور آمنہ اور عثمان قادر جیسے پھول بھی کھلائے ہیں۔ کرکٹ باپ کے مانند ان کے خون میں بھی شامل ہے اس کے چاروں بیٹے کرکٹ کھیلتے ہیں مگر ان سب میں نمایاں بولنگ کے دو مختلف اسکولوں کے استادوں کا نام رکھنے والا عمران قادر ہے جو قادر کی طرح اسپنر ہے اس کی بال میں بہت طاقت ہے اور وہ قادر کے ساتھ اپنے کلب کی طرف سے کھیلتا ہے۔ قادر کو یقین ہے کہ عمران اس کے نام کو آگے ضرور بڑھائے گا۔

وہ خود کرکٹ کے گراؤنڈ میں پورے فارم میں ہے.... مسلسل فرسٹ کلاس کھیل رہا ہے اور ریکارڈز بنا رہا ہے ۹۵-۱۹۹۴ء میں قادر نے سال بھر میں فرسٹ کلاس میں ۶۰ کھلاڑی آؤٹ کردیے جو اپنی جگہ نہ صرف خود ایک ریکارڈ ہے بلکہ اسے ان فٹ قرار دے کر ٹیم سے باہر رکھنے والوں کے منہ پر اگر محسوس کیا جائے تو زناٹے دار تھپڑ بھی ہے۔ اس میں اتنا اسٹمنا موجود ہے کہ وہ ایک دن لنچ کے بعد سے دوسرے دن لنچ تک بالنگ کرتا رہا۔ ۹۶ میں سیالکوٹ میں الائیڈ بینک کے خلاف قادر کی پرفارمنس بذاتِ خود ایک ریکارڈ ہے۔

وہ کرکٹ کھیل رہا ہے' کاروبار بھی کررہا ہے اور دوستیاں بھی نبھا رہا ہے۔ آج بھی وہ سات آٹھ سالہ قادر کے مانند دوستوں کا دوست ہے اور دوستوں کے لیے لڑائی جھگڑے تک پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ فلموں کے سلطان' سلطان راہی کے ساتھ ہونے والے واقعے نے اسے لرزا دیا جس رات سلطان راہی کو گولی ماری گئی اس صبح گیارہ بجے اسے قادر کے گھر آنا تھا۔ اس روز دھرم پورہ میں راہی کی شوٹنگ طے تھی اور راہی نے پروڈیوسر کو کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے دوست قادر کے گھر جائے گا وہاں سے اسے پک کرلیا جائے۔ قادر کو پیغام مل گیا تھا اور اس نے راہی کی پسندیدہ ڈش کڑاہی گوشت کی تیاری بھی کروا ڈالی تھی۔ ساڑھے گیارہ کے قریب اسے کسی کام سے باہر جانا پڑا۔

"قادر بھائی.... کچھ سنا آپ نے...." اس کے کلب کا ایک لڑکا اسٹور کے باہر ہی اس سے ٹکرا گیا....

"کیا ہوا۔"

"سلطان راہی صاحب کو رات کسی نے گولی مار دی...."

"ابے چل.... کیوں افواہیں اڑاتا پھر رہا ہے" قادر نے اس کی بات کو اہمیت نہیں دی۔

"نہیں میں سچ کہہ رہا ہوں قادر بھائی...."

"یہ کیسے ہوسکتا ہے وہ ابھی یہاں آنے والا ہے۔"

"لوگ یہی کہہ رہے ہیں...."

"سب ایسے ہی اڑاتے رہتے ہیں.... ان باتوں پر یقین مت کیا کرو...." وہ یہ کہہ کر واپس اپنے دفتر میں آگیا اسے اس بات پر بالکل یقین نہیں آیا تھا مگر اس کے دل میں اتھل پتھل سی ہو رہی تھی۔ اس لیے اس نے تھوڑی دیر بعد اسٹوڈیوز اور راہی کے گھر فون کیا۔

"راہی اب اس دنیا میں نہیں رہے.... رات کسی نے انہیں اپنی بے رحم گولی کا نشانہ بنادیا...." باری، اسٹوڈیوز سے ایک روتی ہوئی آواز نے اس کے اندیشے کی تصدیق کردی.... قادر سے جواب میں کچھ بولا بھی نہیں گیا.... ریسیور اس کے ہاتھ میں رکھا رہ گیا اور اس کا ذہن راہی کی کوششوں، محنت، سادگی.... محبت.... نیکی اور دیانت داری کے باوجود اس کے اس انجام پر ساکت سا ہوگیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ فائٹر بلکہ ایکسٹرا کے طور پر برسوں مستقل مزاجی سے اپنی دُھن میں لگے رہنے والا اور پھر منزل کو پاکر "بابل" "بشیرا" ٹیکسی ڈرائیور، بابل صدقے تیرے اور دوسری سیکڑوں کامیاب فلمیں کرنے والا۔ بڑکیں لگانے والا، دوستوں کا دوست، کسی سے نہ ڈرنے نہ دبنے والا راہی واقعی کسی کی گولی کا نشانہ بن سکتا ہے۔ وہ تو غیروں سے بھی محبت سے بات کرتا تھا کسی ضرورت مند کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیتا تھا۔ ۵۰۷ فلموں میں کام کرکے اداکاری کا ورلڈ ریکارڈ بنانے والا راہی، پاکستان بلکہ دنیا کے ان چند گنے چنے فنکاروں میں سے ایک تھا جو موت تک کامیاب اور مقبول رہے ہوں۔

سلطان راہی کی موت نے قادر کو دہلا دیا تھا۔ تو یہ ہوتی ہے موت اور اس طرح اچانک کہیں سے اپنا سیاہ آنچل زندگی کے روشن چہرے پر ڈال کر سب کچھ ختم کردیتی ہے سب کچھ تہ و بالا کردیتی ہے.... سارے منصوبے ادھورے رہ جاتے ہیں اور بنجارہ اعمال کی ٹوکری کاندھے پر لاد کر چل پڑتا ہے ایک ایسے سفر پر جسے اسے تنہا ہی طے کرنا ہوتا ہے۔

فلموں سے قادر کو پہلے تو کچھ زیادہ دلچسپی نہیں تھی.... مگر فلم والوں سے اس کی ہمیشہ دوستی رہی، پہلے سلطان راہی کی وجہ سے وہ کبھی کبھار فلم دیکھ لیتا تھا بعد میں یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ہاں، بھارتی آفرز کے باوجود اس نے فلموں میں کام کرنے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا بلکہ جب محسن حسن خان نے رینا رائے کے ساتھ شادی کی تو اس شادی پر تنقید کرنے والوں میں قادر بھی شامل تھا اور جب محسن نے فلمی دنیا جوائن کی تب بھی قادر نے مذاق ہی مذاق میں اس کے اس فیصلے کو بہرحال غلط ضرور قرار دیا تھا مگر وقت سوچوں کو بدلنے میں بڑا ماہر واقع ہوا ہے۔ یوں فلموں کے بارے میں سوچ بھی نہ سکنے کا دعویٰ کرنے والا قادر آج فلمی بزنس میں قدم رکھ رہا ہے۔

"یار تو آج بھی ہیرو آسکتا ہے پھر کیوں پیچھے ہٹتا ہے" اس کے چند دوستوں نے اس پر دباؤ ڈالا "اس سے زیادہ فائدہ مند کاروبار نہیں ہوگا تو آرام سے دس پندرہ لاکھ کما لے گا...." سجاد نامی دوست نے کہا۔

"اچھا...." اب قادر کو بھی اس کی تجویز میں کچھ دلچسپی نظر آئی.... ایک اچھے کرکٹر سے ہٹ کر وہ ایک مکمل کاروباری ذہن کا مالک بھی تھا اور فلم نہ تو اس کے لیے بچپن کا شوق تھا نہ آرٹ کی خدمت ہاں وہ اسے ایک کاروبار کے طور پر کرنے کے لیے ضرور تیار تھا۔

"تو اور کیا.... اب تُو اللہ واسطے تو فلم میں کام نہیں کرے گا.... ظاہر ہے کہ معاوضہ لے گا...."

یوں انٹرنیشنل فلم والوں کے ساتھ قادر کا معاملہ طے ہوگیا وہ اس کے دوست تھے.... قادر نے انہیں اپنے دفتر میں جگہ فراہم کی

ظہیر عباس کی دوسری شادی

کرکٹ بہت وقت طلب کھیل ہے مگر اس مصروف کھیل کے مصروف ترین کھلاڑی ہونے کے باوجود ظہیر عباس نے ایک بھرپور زندگی گزاری ہے۔ ان کی پہلی اہلیہ نجمہ ہیں جو کہ شمع اسٹوڈیوز والوں کی چہیتی بیٹی ہیں۔ نجمہ سے ظہیر کی تین بیٹیاں بھی ہیں۔ اس کے علاوہ سب ہی جانتے ہیں کہ ظہیر نے ایک سکھ خاتون سے شادی کی جن کا اسلامی نام ثمینہ ہے مگر پہلی شادی کے بعد اور تیسری شادی سے پہلے بھی ظہیر نے ایک شادی کی تھی۔ یہ شادی بہت کم عرصے برقرار رہی تھی، لاہور میں ہونے والی یہ شادی باہمی رضامندی سے بہت جلد طلاق پر ختم ہوگئی تھی۔

روبینہ رشید کی تحقیق مزید

○☆○

اور دونوں ساتھ کام کرنے لگے۔ قادر نے ابتدا میں فلموں کی ڈسٹری بیوشن اور دیگر معاملات میں کام شروع کردیا تھا مگر کوئی فلم سائن نہیں کی تھی۔ اسے فلموں میں پہلی آفر آٹھ لاکھ روپے کی آئی مگر اس نے انکار کردیا پھر یہی آفر دس لاکھ میں تبدیل ہوگئی۔ آج اس کے پاس پندرہ لاکھ کی آفر موجود ہے اور اب وہ فلم میں کام کرنے کے لیے تیار ہے۔

"تو پاپا آپ ہیرو بن جائیں گے یعنی اپنا ڈبا اور گول" اس کا بڑا بیٹا رحمان مذاقاً بولا "پہلے ہی لوگ آپ کو میرا بھائی ہی سمجھتے ہیں" ۱۹ سالہ رحمان واقعی قادر کے ساتھ کھڑا ہوتا تو زیادہ سے زیادہ اس کا چھوٹا بھائی ہی لگتا تھا۔

"تو یہ کریڈٹ تو میرا ہے نا بھئی۔ اس میں آپ کا کیا کمال ہے...." قادر نے اسے چھیڑا۔

اس کے کچھ دوستوں کو اس کا موجودہ فیصلہ پسند نہیں آیا ہے مگر قادر کے پاس ایسی ہر تنقید کا جواب موجود ہے اس کا کہنا ہے کہ وہ صرف ایک فلم میں کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

"مگر آخر کیوں.... ذرا سوچ فلم اچھی نہ بنی تو تیرا امیج خراب ہوجائے گا" مسرور نے اسے ڈرایا۔

"اللہ سے اچھی امید رکھ یار.... میں صرف اس لیے ایک فلم میں کام کرنا چاہتا ہوں کہ میرے لیے یہ بھی ایک کاروبار ہی ہے جس میں پندرہ بیس لاکھ کمالوں گا اس پیسے سے میں اپنا ایک خواب پورا کروں گا...." قادر نے جواب دیا۔

"خیر پیسہ تیرے پاس ہے مگر تیرا خواب کیا ہے....؟"

"میں ایک ایسا ادارہ بنانا چاہتا ہوں جہاں بچے قرآن پاک حفظ کریں پھر غریب لوگوں کے لیے رہائشی کالونی اور کوئی ایسا روزگار کا انتظام کہ ان کا گھر چلتا رہے اس سب کے لیے پیسہ تو درکار ہے نا اور مجھے یہ پیسہ کمانے کا آسان طریقہ لگ رہا ہے۔"

کیا واقعی اداکاری اتنا آسان کام ہے؟

اور یہ کہ قادر کی گگلی یہاں بھی اسے نمبرون بنادے گی اور پھر اس کے بعد اسے اپنا خواب یاد بھی رہے گا کہ نہیں، یہ سب کچھ تو صرف آنے والا وقت ہی بتا سکتا ہے فی الحال تو وہ نتائج سے بے پروا اپنے کام میں مصروف ہے۔

بقول خود اس کے "میں صرف اللہ سے کامیابی مانگتا ہوں کسی انسان سے کچھ مانگنا بے کار ہے انسان بہت ظالم ہوتے ہیں ان کا بس چلے تو دوسرے کے منہ کا نوالہ تک چھین لیں پھر کسی انسان کی طاقت زیادہ سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے جب کہ رب کریم کی دسترس سے باہر کیا ہے وہ ذرّے کی طلب پر جہان دے سکتا ہے میں آج عبدالقادر ہوں۔ اسپن کی دنیا میں آنے والا ہر کھلاڑی خواہ اس کا تعلق پاکستان سے ہو یا نہ ہو مجھے کاپی کرنے کی کوشش کرتا ہے.... میرے نقشِ قدم پر چلتا ہے، میرے اسٹائل کو اپناتا ہے۔ میرے وڈیوز دیکھتا ہے، میری ایک ایک بال پر نظر رکھتا ہے.... جب کہ میں خود کل کیا تھا۔ مجھے آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد ہے جب میں صرف ایک میچ کے لیے سجدے میں گڑگڑا رہا تھا پھر جب میری جگہ میانداد سلیکٹ ہوا تھا تو مایوسی نے مجھے کیسا گھیرا تھا۔ آج جب وہ لمحات یاد کرتا ہوں تو فارسی کی ایک حکایت یاد آتی ہے جو میں نے کالج میں پڑھی تھی اور جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ ایک فقیر بھوک سے نڈھال، لباس سے بدحال ایک رحم دل حکمران کے ملک میں پہنچا تو اسے مشورہ دیا گیا کہ بادشاہ سے مانگو وہ سب کی مدد کرتا ہے چنانچہ یہ مفلوک الحال شخص دربار میں چلا گیا اور اپنا حال احوال بادشاہ سے بیان کیا۔ بادشاہ نے کہا مانگو جو مانگنا ہے۔ فقیر نے کہا کہ ایک لاکھ اشرفیاں دے دیجیے۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ تیرے حسبِ حال نہیں ہے تو اس نے مایوس ہوکر کہا پھر دس اشرفیاں ہی دے دیجیے جس پر بادشاہ مسکرایا کہ یہ میرے شایانِ شان نہیں ہے بہر حال بادشاہ نے اس فقیر کو پھر اپنی شان کے مطابق نواز دیا۔ اسی طرح میں نے اللہ کے دربار میں مایوسی کی حالت میں صرف ایک میچ کی دعا کی تھی مگر وہ اس کے شایانِ شان نہیں تھی لہٰذا اس نے ۶۷ میچوں سے نوازا۔ ۲۳۶ وکٹیں جو ایک اسپنر کے لیے بہت زیادہ ہیں میرے ریکارڈ پر ہیں اب اس سے زیادہ مجھے کیا چاہیے....؟ اب تو مجھے بورڈ سے خود اپنے لیے کچھ بھی نہیں چاہیے مگر ہاں اگر آج بھی بورڈ میں پروفیشنل لوگوں کو لے لیا جائے.... فیصلے کرکٹ کے حوالے سے کیے جائیں.... اور کھلاڑیوں کو ان کا حق دیا جائے تو شاید بہت سے لوگ تاریک راہوں میں مارے جانے سے بچ جائیں، بس یہی میری خواہش ہے۔"

یہ قادر کی خواہش ہے مگر ہمارے ہاں حنیف محمد سے لے کر قادر تک یہ روایت چلی آرہی ہے کہ ہم صلاحیتوں کی انارکلی کو ذاتی اغراض، پسند و ناپسند اور معمولی فائدوں کی دیواروں میں دفن کرنے کے عادی ہوچکے ہیں، اس سے کھیل پر کیا گزرتی ہے؟ یا کون کون ایسے ظالمانہ فیصلوں کی تلوار سے زخمی ہوکر خود اپنی خواہشات و صلاحیتوں کے خون میں نہا جاتا ہے اس سے اربابِ اقتدار و اختیار کو نہ پہلے کوئی مطلب تھا نہ اب ہے۔ یہ حالات کب بدلتے ہیں؟

یہ فی الحال ایک سوال ہے۔ شاید مستقبل کے پاس اس کا جواب موجود ہو۔ اس کے لیے ہمیں، آپ کو قادر کو اور اس جیسے بہت سے دوسرے چہروں کو آنے والے وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ وقت جو سب سے بہتر منصف ہے اور خود دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرکے چھوڑتا ہے۔ جس کے شیشے پر حالات کی کتنی بھی گرد کیوں نہ جم جائے بہر حال چہروں کے اصل نقوش ابھر ہی آتے ہیں.... کاش اس بات کی خبر اُن کو بھی ہوتی جن کے ہاتھوں میں آج فیصلے کی میزان ہے.... کاش....!!!